بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

پروفیسر خورشید احمد عہدِ حاضر کے ایک معروف و ممتاز عالم معاشیات اور اسلامی دانش ور ہیں۔ وہ اپنے قلم کے زور اور فکر کی گہرائی کی وجہ سے ہر مکتبِ فکر میں مقبول ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ــــ اسلامی نظریہ ــــ دراصل ان کا وہ مقالہ ہے جو انہوں نے ماہنامہ ''چراغِ راہ'' کراچی کے ''نظریۂ پاکستان نمبر'' کے لیے اب سے چونتیس برس پہلے دسمبر ۱۹۶۰ء میں سپردِ قلم فرمایا تھا۔

مقالہ نگار نے سب سے پہلے آئیڈیولوجی کی تعریف بیان کی ہے، اس کے بعد بتایا ہے کہ یہ اصطلاح کب اور کن معنوں میں استعمال ہوئی اور اس کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ اس ضمن میں انسانوں کے دوسرے نقطہ ہائے نظر کو موضوعِ بحث بناتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ اب جب ہم اس اصطلاح کو استعمال کرتے ہیں تو اس سے وہ سیاسی اور معاشی لائحہ عمل مراد لیتے ہیں، جو اسلام پیش کرتا ہے۔ پھر اسلامی آئیڈیولوجی کی بنیادوں پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے اسے الہامی آئیڈیولوجی سے تعبیر کیا ہے۔

آخری حصے میں فرد اور سماج سے متعلق اسلامی آئیڈیولوجی کی اہمیت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے تحریکِ اقامتِ دین کا اصولی اور سائنٹی فک تعارف کرایا گیا ہے۔

یہ کتاب اگرچہ ضخامت کے لحاظ سے مختصر ہے لیکن اہمیت کے اعتبار سے بہت سی ضخیم کتابوں پر بھاری ہے۔ ان شاء اللہ اسلام کو سائنٹی فک اصولوں پر سمجھنے والے طلبہ اور اسکالرس کے لیے یہ مفید اور معاون ثابت ہوگی۔

(ناشر)

(۱)

آئیڈیولوجی کسے کہتے ہیں

آئیڈیولوجی (Ideology) کا لفظ انگریزی زبان میں غالباً اٹھارویں صدی کے اخیر سے مستعمل رہا ہے۔ شروع میں یہ لفظ ''علم التصورات'' (Science of Ideas) کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اور خصوصیت سے اس سے مراد فلسفہ اور نفسیات کا وہ شعبہ تھا، جو تصورات، ان کی حقیقت و ماہیت اور ان کے آغاز و ماٰخذ کا مطالعہ کرے۔ اس معنی میں اس اصطلاح کو ڈبلیو ٹیلر نے اپنے اس مقالے میں استعمال کیا تھا، جو اس نے ۱۷۹۶ء میں نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف فرانس میں پیش کیا تھا۔ بعد میں اس لفظ نے ایک نئی معنویت اور اس کے مفہوم نے مزید وسعت اختیار کر لی۔ جدید ادب میں اسے ایک ایسے ضابطۂ عمل اور اجتماعی پروگرام کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، جو اپنی فلسفیانہ بنیادیں بھی رکھتا ہو اور سیاست و معاشرت کے لیے بھی ایک لائحۂ عمل پیش کرتا ہو۔

''لغت فلسفہ'' میں ڈاکٹر جارج بوآس اس کی یہ تعریف کرتے ہیں:

''عام نظریات کا کوئی ضابطہ یا کوئی ایسا پروگرام جس کی اساس فکر و فلسفہ پر ہو(۱)''

اسی طرح مشہور ماہر لسانیات ویبسٹر اس کی یہ تعریف کرتا ہے:

کسی تہذیبی، سیاسی یا معاشرتی تحریک کے عام منصوبہ یا لائحہ عمل کا علمی بیان(۲)۔

ان تعریفات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آئیڈیولوجی سے کسی بھی تحریک یا نظامِ تمدن کا تہذیبی، سیاسی اور معاشرتی پروگرام و لائحۂ عمل مراد ہے اور جب ہم ''اسلامی

(۱) Dictionary of Philosophy Ed. D.D. Runer. Philosophical Library, New York, P.140

(۲) Webster's Approved Dictionary 1948, Edition.

آئیڈیولوجی'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اس سے وہ سیاسی اور تمدنی لائحۂ عمل مراد ہوتا ہے، جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ آئیڈیولوجی کی اصل خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے خاص نظام فکر کی روشنی میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق رہ نمائی کرتی ہے اور جس طرح ہار کے موتیوں کو ایک سرشتہ باہم منسلک کر دیتا ہے، اسی طرح ہر آئیڈیولوجی کی ایک مشترک اپروچ زندگی کے تمام شعبوں کے پروگراموں کو جوڑ کر ایک وحدت بنا دیتی ہے۔ ہر شعبے میں ایک ہی روح اور ایک ہی فکر کارفرما ہوتی ہے اور اس طرح ایک مکمل ضابطۂ فکر و عمل رونما ہوتا ہے، جس میں زندگی کی حقیقی وحدت جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں حیات کے تمام پہلوؤں میں یک رنگی اور ہم آہنگی رونما ہوتی ہے اور اس یک رنگی سے زندگی میں حسن پیدا ہوتا ہے۔

یورپ کی بدقسمتی رہی ہے کہ وہ ایک عظیم مدّت سے کسی حیات بخش آئیڈیولوجی سے محروم رہا ہے۔ عیسائیت اسے کوئی آئیڈیولوجی نہ دے سکی اور ترک عیسائیت کے بعد وہ آئیڈیولوجی اور اس کی ضرورت ہی کا منکر ہو گیا۔

جدید مغربی فکر کا ارتقاء جن خطوط پر ہوا ہے، وہ زندگی کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے ہیں۔ سب سے پہلے ڈیکارٹ نے روح اور مادّے کی وحدت کا ابطال کیا۔ اس کے فلسفۂ ثنویت میں روح اور مادہ ''Substances'' ہیں۔ لائبنیز نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور وجود کی کثرت کا نظریہ پیش کیا۔ اب ہر جوہر (Monad) خود ایک کائنات تھا اور اپنا جداگانہ وجود رکھتا تھا اور اپنی مخصوص نظر سے پوری کائنات کی عکاسی کر رہا تھا۔ لاک اور ہیوم کے زیر اثر کمیت (Quantity) کی اہمیت بڑھ رہی تھی اور کیفیت (Quality) کی اہمیت کم ہو رہی تھی۔ طبیعیات اور حسابیات کی ترقی نے اس عمل کو اور بھی تیز تر کر دیا اور نتیجۃً مغربی فکر کی سب سے اہم خصوصیت ''کل'' سے ''جزو'' کی طرف مراجعت ہو گئی۔ اس کیفیت کو جدید اہلِ قلم جوہری حسیّت (Atomic Sensational) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ اسی فکری پس منظر کا نتیجہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبے میں انتشار اور جزو پرستی رونما ہوئی۔ عالمی ریاست کا تصور قومی ریاست کے تصور سے بدل گیا اور سلطنت روما چھوٹی چھوٹی قومی ریاستوں میں بٹ گئی۔ مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے سے بالکل جدا کیا گیا اور سیاست میں بھی انفرادیت (Individualism) کا غلبہ ہوا جو جمہوریت پر منتج ہوا۔ معاشیات میں تخصیص (Specialisation) اور تقسیم پسندی

(Departmentalisation) کا رجحان رونما ہوا اور پوری صنعتی اور تجارتی ترقی انھی خطوط پر ہوئی۔ نیشنلزم، سیکولرزم، جمہوریت، صنعت (Industrialism) اسی ذہنیت کی پیداوار ہیں۔

مغربی فکر کے اس رجحان کا لازمی اور منطقی نتیجہ تھا کہ کوئی ایک آئیڈیولوجی ایسی نہیں ہو سکتی تھی، جو زندگی کے تمام شعبوں میں یک رنگی پیدا کر سکے۔ لادینیت (Secularism) یا مادیت (Materialism) اور لبرلزم منفی تحریکیں تھیں۔ وہ کوئی مثبت آئیڈیولوجی فراہم نہیں کر سکتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شعبے کا ارتقاء جدا جدا بنیادوں اور مختلف تمدنی خطوط پر ہوا اور زندگی میں کوئی وحدت باقی نہ رہی۔ معیشت کسی سمت میں جا رہی ہے؛ تو معاشرت کسی اور سمت میں ——— سیاست کا انداز کچھ ہے تو اخلاق و تمدن کا کچھ اور۔ ہر معاملے میں متعدد معیارات بن گئے اور کوئی ایک پیمانہ ایسا نہ رہا، جس سے حیات کے ہر پہلو کو ناپا جا سکے۔ یورپ کی زندگی کا جدید انتشار اس وقت تک سمجھ میں نہیں آتا جب تک مندرجہ بالا حقیقت کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے۔ تاریخ کا طالب علم جب یہ دیکھتا ہے کہ ریاست میں جمہوریت اور معاشیات میں صنعتی استبداد اور مزدوروں پر مظالم ساتھ ساتھ رونما ہوئے ہیں۔ جب وہ لبرلزم اور امپیریلزم کو ہم آغوش دیکھتا ہے تو پریشان ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تضاد و تناقض اس لیے تھا کہ ایک منفی چیز پر تو سب مشترک تھے، لیکن کوئی مثبت آئیڈیولوجی ایسی موجود نہ تھی، جو زندگی کی وحدت کو قائم رکھتے ہوئے ایک علمی اور عملی لائحہ عمل دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شعبے میں مختلف سمتوں میں ترقی ہوئی ہے اور آج اس کے نتیجے میں مغربی تہذیب اندرونی انتشار کا شکار ہے۔

یورپ کی جدید تاریخ میں اسی انتشار اور ژولیدگی کے ردعمل کے طور پر اشتراکیت بحیثیت ایک آئیڈیولوجی اور ایک تحریک کے رونما ہوئی اور جو بھی کامیابی اس کو آج کی دنیا میں حاصل ہوئی ہے، اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اس کے پاس ایک آئیڈیولوجی، ایک ضابطۂ حیات ہے۔ اسی میں اس کی اپیل کا اصل راز مضمر ہے۔ لیکن چوں کہ اشتراکیت بھی مغربی فکر کی منفی رَو سے اپنے کو آزاد نہ کر سکی اور مادہ و روح اور زندگی و اخلاق کی تقسیم پر مبنی ہے اور انسانی سماج کی طبقاتی تقسیم پر اس کی اساس ہے، اس لیے اس نے ایک پروگرام تو دیا مگر ایک صحت مند اور حیات بخش پروگرام پیش کرنے سے وہ بھی قاصر رہی۔ جس وقت تک وہ محض ایک نظریہ رہی، اس کی اپیل دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتی رہی۔ لیکن اب جب کہ اس کے عملی نتائج بھی سامنے

آگئے ہیں اس کی اپیل برابر کم ہورہی ہے۔ اس لیے کہ انسان یہ دیکھ رہا ہے کہ :

زمامِ کار گر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریقِ کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

ایک طرف تو جدید دنیا میں کسی صحت بخش آئیڈیولوجی کا فقدان ہے اور دوسری طرف ایک ایسی آئیڈیولوجی کی ضرورت روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔

تجربے نے یہ ثابت کردیا ہے کہ زندگی ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ انسان کی شخصیت ایک ہی ہے اور وہ بیک وقت ڈاکٹر جیکائل اور مسٹر ہائیڈ نہیں بن سکتا اور اگر بنے گا تو اس کی شخصیت انتشار کا شکار ہوجائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان ایک انتشار زدہ شخصیت (Split-personality) کا حامل ہے اور سماجی بے اطمینانی، معاشرتی کش مکش، نوجوانوں کی بے راہ روی (Juveniledelinquency) ذہنی امراض جس تیزی سے بڑھ رہے ہیں وہ اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ حیاتِ انسانی کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ہر شعبے کو ایک آزاد اور جداگانہ جزیرے کی شکل دے دینا نہایت مہلک ہے۔ انفرادی اور اجتماعی، سیاسی اور معاشی، معاشرتی اور تمدنی یہ تمام شعبے ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ انہیں بالکل الگ الگ حصوں (Compartments) میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح گلاب کی پنکھڑی میں یہ امتیاز کرنا دشوار ہے کہ سپیدی کہاں ختم ہوئی اور سرخی کہاں سے شروع ہوئی اسی طرح انسانی زندگی میں مختلف شعبوں کے درمیان امتیاز و تفریق ممکن نہیں۔ جب تک تمام شعبوں کو درست نہ کیا جائے اور سب میں ہم رنگی و ہم آہنگی نہ ہو اس وقت تک انسانی زندگی خوش حالی و کامرانی سے ہم کنار نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ ممکن نہیں کہ آپ کا صرف نصف چہرہ مسکرائے اور باقی نہ مسکرائے تو یہ بھی ممکن نہیں کہ صرف معیشت یا سیاست کی تنظیم بندی سے پوری زندگی سنور جائے۔ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص بیک وقت مختلف سمتوں میں چل سکے، اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ انسان کی زندگی کے مختلف شعبوں کو بیک وقت مختلف منزلوں کی طرف سرگرم عمل کیا جاسکے۔ تجربے نے آج کے انسان کو یہ اچھی طرح سکھا دیا ہے کہ اگر وہ اپنی شخصیت کا استحکام اور تمدن کی حقیقی ترقی چاہتا ہے تو جزو پسندی (Departmentalisation) سے تہذیبی

وحدت کی راہ اختیار کرنی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی سب سے بڑی ضرورت ایسی صحت مند آئیڈیولوجی ہے، جو دنیا کو اس انتشار سے نکال دے۔ جس میں وہ گھر گئی ہے اور جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہورہا ہے۔

یہ تہذیبِ انسانی کی اندرونی کیفیت ہی کا تقاضا نہیں بلکہ کچھ بیرونی اسباب بھی ایسے پیدا ہوگئے ہیں، جو اسے اس سمت میں کشاں کشاں لارہے ہیں۔ پہلی چیز تو ریاست کا جدید تصور ہے۔ آج کی ریاست (ایک خاموش سیاسی انقلاب کے نتیجہ کے طور پر) ایک ہمہ گیر ریاست بن چکی ہے۔ جیمز اسٹورٹ مل اور لارڈ ملبورن کے تصور کی محض انتظامی ریاست (Police State) کا آج دنیا کے کسی کونے میں وجود نہیں۔ اب ریاست ایک مثبت ریاست ہے جسے تعلیم، کلچر، سماج، معیشت، نشر و اشاعت ہر میدان میں ایک پالیسی اختیار کرنی ہے اور ہر شعبے کی صورت گری کرنی ہے محض منفی تصورات کے سہارے ایسی کوئی ریاست قائم نہیں ہوسکتی۔ سیکولرزم اور لبرزم آج کے مسائل کا حل نہیں۔ مذہب کو آپ ٹکسال باہر کر بھی دیں تو کریں گے کیا؟ سیکولرزم کوئی مثبت پروگرام نہیں دیتا۔ لبرزم کے سہارے آپ ماضی کے خلاف بغاوت کرسکتے ہیں اور روایات کو ترک بھی کرسکتے ہیں۔ لیکن آپ کا مثبت اقدام آخر کیا ہوگا؟ لبرزم کوئی مثبت آئیڈیولوجی نہیں دیتا۔ جمہوریت بھی زیادہ سے زیادہ آپ کو یہ بتاتی ہے کہ "وہ کرو جو عوام چاہیں۔" لیکن سوال یہ ہے کہ عوام کیا چاہیں؟ کوئی مثبت نظریہ، کوئی تعمیری لائحہ عمل جب تک عوام کے پاس نہ ہو وہ کیا کرسکتے ہیں؟ جس پہلو سے بھی آپ غور کریں گے آپ محسوس کریں گے کہ آج ایک طرف ہمارے زمانے کے چلتے ہوئے فلسفے آئیڈیولوجی فراہم کرنے میں ناکام ہیں تو دوسری طرف آج کی دنیا میں ریاست کے لیے آئیڈیولوجی اتنی ہی ضروری ہوگئی ہے، جتنی انسان کے لیے ہوا اور پانی۔ اس کے بغیر اس کا وجود ہی بے معنی ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے سیاسی مفکرین بیسویں صدی کی ریاست کو "نظریاتی ریاست (Ideological State) کے نام سے پکارتے ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ فنی اور میکانکی ترقی نے اب ان تمام منتشر جزیروں کو آپ سے آپ ملا دیا ہے، جن میں اس سے پہلے زندگی کو تقسیم کیا گیا تھا۔ وسائلِ نقل و حرکت نے جغرافیائی فاصلوں کو کم بلکہ ختم کردیا ہے۔ تعلیم، پروپیگنڈہ اور ریڈیو نے زندگی کے تمام شعبوں کو ملا دیا ہے۔ زمان و مکان کی تسخیر نے زمین کی طنابیں کھینچ دی ہیں۔ اب پوری دنیا ایک شہر اور پوری

انسانیت ایک خاندان بنتی جارہی ہے اور وحدت کی طرف اس کی اس پیش قدمی کے زمانے میں ''کثرت'' اور ''تقسیم'' کے وہ تمام فلسفے بیکار اور از کار رفتہ ہوگئے ہیں، جو آج تک اس کا سرمایۂ حیات رہے ہیں۔ نیا زمانہ مغرب کے تمام جزوی فلسفوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے:۔

سچ کہہ دوں اے برہمن! گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہوگئے پرانے

اب دنیا کو ایک ایسے نظریے اور ایک ایسی آئیڈیولوجی کی ضرورت ہے، جو کثرت کو وحدت میں بدل دے اور ان نئے حالات میں انسان کو رہنے کا سلیقہ سکھائے۔ تاکہ وہ اپنی حاصل کی ہوئی نئی قوتوں کو تعمیر و تشکیل کے لیے استعمال کر سکے۔ ورنہ اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ آج تک انسان نے جو کچھ حاصل کیا ہے، وہ نفرت، تقسیم پسندی اور جزو پرستی کے فلسفوں کے ہاتھوں تباہ ہو جائے:

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ اسلامی آئیڈیولوجی وہ نظام عمل پیش کرتی ہے، جو دور جدید کی تمام ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے۔ اسلامی آئیڈیولوجی دنیا کی تاریکی کو نور میں بدل سکتی ہے اور جدید جہالت کو بھی اسی طرح ختم کر سکتی ہے، جس طرح آج سے پہلے تاریخ کی قدیم جہالتوں کو ختم کرتی رہی ہے۔

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ (ابراھیم:۱)

الٓر۔ یہ کتاب (ہدایت) ہے، جس کو ہم نے تم پر اس لیے نازل کیا ہے کہ تم تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاؤ اس خدا کے راستے کی طرف جو غالب اور ستودہ صفات ہے۔

(۲)

اسلامی آئیڈیولوجی کی بُنیادیں

اسلامی آئیڈیولوجی کے معاشرتی اور تمدنی پروگرام کا مطالعہ کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان بنیادوں کا مطالعہ کر لیا جائے، جو اس آئیڈیولوجی کے مخصوص مزاج کو متعین کرتی ہیں، اسے ایک خاص انداز کار دیتی ہیں اور اس کے دیے ہوئے لائحۂ عمل کو دوسرے تمام نظام ہائے فکر و عمل پر فوقیت عطا کرتی ہیں۔

الہامی ہدایت

۱- اسلامی آئیڈیولوجی کے متعلق سب سے اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ یہ الہامی ہدایت پر مبنی ہے۔ اسے کسی انسان کے ذہن نے تخلیق نہیں کیا۔ یہ اسی خالق کی طرف سے ہے، جس نے زمین و آسمان کو اور خود انسان کو پیدا کیا ہے۔ یہ کائنات محض ایک اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں ہے۔ اس کا ایک خاص خالق اور پیدا کرنے والا ہے اور وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس خالق نے اپنی زمین پر انسان کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجا ہے تاکہ یہ دیکھے کہ انسان اپنے فرائض منصبی کو کس خوبی سے انجام دیتا ہے۔ رب العالمین نے انسان کی ہر قسم کی ضرورت کو پورا کرنے کا سامان بھی کر دیا ہے۔ انسان کی مادی اور جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اس نے سینۂ کائنات میں بے شمار وسائل ودیعت کر دیے ہیں اور انسان کو اس بات کی طاقت دی ہے کہ وہ محنت اور جستجو کے ذریعے ان سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرے اور انسان کی اخلاقی، روحانی اور تمدنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے رب السمٰوات والارض نے اپنے پیغمبر بھیجے۔ انھوں نے انسانوں کو الہامی ہدایت پہنچائی اور اس کے مطابق عملاً نظامِ زندگی کو قائم کیا۔ نبیوں کی لائی ہوئی یہی

ہدایت اسلام ہے۔ تخلیق و رہ نمائی کے اس نظام کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (طٰہٰ: ۵۰)

(حضرت موسیٰؑ نے) فرمایا: ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی اور پھر رہ نمائی فرمائی۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ (الاعراف: ۵۴)

دیکھو! سب مخلوق بھی اس کی ہے اور حکم (قانونِ ہدایت) بھی اسی کا ہے یہ خدائے رب العٰلمین بڑی برکت والا ہے۔

خدا نے انسان کی رہ نمائی کے لیے پورا دین نازل کیا ہے اور اسی دین کے تمدنی پروگرام کا نام اسلامی آئیڈیولوجی ہے۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ محض کسی چیز کے اسلام کے نام پر پیش کر دینے سے وہ شے اسلامی آئیڈیولوجی کا جزو نہیں بن جاتی۔ اسلامی آئیڈیولوجی کا جزو وہی چیزیں ہیں، جو خدا اور اس کے رسول نے ہم کو بتائی ہیں یا جو ہم اس طریقے پر معلوم کریں جو خدا نے ہم کو بتایا ہے۔ اسلامی آئیڈیولوجی کے اولین ماخذ قرآن اور سنت رسول اللہ ہیں۔ ہر وہ چیز جس کی سند قرآن و سنت میں ہے، آئیڈیولوجی کا جزو ہے۔ اور جس کی سند اس میں نہیں ہے وہ اس آئیڈیولوجی کا کوئی مستقل حصہ نہیں۔ قرآن اپنی اصل شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور یہ اسلامی نظریے کا اولین ماخذ ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ؕ

(الاعراف: ۳)

لوگو! جو (کتاب) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے، اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو۔

قرآن کے ساتھ ہمیں رسول کی اطاعت کا حکم ہے۔ رسولؐ کی زندگی کو انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ بنایا گیا ہے اور اس کی اطاعت کو خدا کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (سورۃ النساء: ۸۰)

جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے یقیناً خدا کی اطاعت کی۔

رسولؐ کی سنت کو ہم قرآن، تواتر، حدیث اور عملِ صحابہؓ سے معلوم کرتے ہیں اور خدا کے رسولؐ کی یہی سنت اسلامی آئیڈیولوجی کا دوسرا مستقل ماخذ ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ نے اسلامی آئیڈیولوجی کی انھیں بنیادوں کا ذکر اپنے آخری خطبے میں فرمایا تھا:

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں، جن کے بعد پھر تم گم راہ نہیں ہو سکتے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میری سنت۔" (متفق علیہ)

اسلامی آئیڈیولوجی کی یہی الہامی نوعیت ہے، جس کی بنا پر بدعت کو گم راہی کہا گیا ہے۔ دین میں ایسا مستقل اضافہ، جس کی اصل ماخذ میں کوئی سند نہیں۔ بدعت ہے۔ بقول امام مالکؒ:

من ابتدع فی الاسلام البدعة یراها حسنةً فقد زعم ان محمدا ﷺ خان الرسالة فانّ الله سبحانه یقول الیوم اکملت لکم دینکم فمالم یکن یومئذٍ دیناً فلایکون الیوم دیناً۔

جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا کی اور اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے، (گویا) وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ محمدؐ نے (نعوذ باللہ) پیغام پہنچانے میں خیانت کی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔ جو بات عہد رسالت میں دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

اسلامی آئیڈیولوجی کی یہی خصوصیت اسے باقی تمام نظریات سے مختلف کر دیتی ہے۔ اس نظام میں کسی کے لیے بھی خود اپنی طرف سے کسی بات کے بڑھانے کا امکان نہیں ہے۔ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی ہدایت کو قایم کرے نہ یہ کہ اس کے نام پر اپنی من مانی باتیں پیش کرے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کو روانہ کرتے وقت اس بات کا اظہار فرمایا تھا:

"میرا مقام صرف متبع کا ہے۔ میں بہ ہر حال کوئی نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں۔ پس اگر نبی کی راہ پر استوار ہوں تو میری پیروی کرنا اور اگر راہ سے ہٹ جاؤں تو مجھے راہ راست پر لے آنا۔" اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بارِ خلافت اٹھاتے وقت اس بات کا اظہار اس طرح کیا تھا:

"لوگو! یہ ایک حقیقت ہے کہ تمہارے نبیؐ کے بعد کوئی نبیؐ نہیں آئے گا اور نہ کوئی کتاب اس کتاب

کے سوا اترے گی جو تمہارے نبیؐ پر اتری۔ اللہ عزوجل نے جو حلال کر دیا ہے، وہی حلال ہے جو حرام کر دیا ہے، وہی حرام ہے اور یہ حرمت قیامت تک کے لیے ہے۔ اے لوگو! یاد رکھو میں قاضی بن کر اس مسند پر نہیں بیٹھا۔ میں تو احکام الٰہی کا نفاذ کرنے والا ہوں۔ میں کسی نئی بات کا داعی نہیں ہوں۔ میں تو احکام الٰہی کے تابع ہوں۔ لوگو! یاد رکھو! کسی کو زیب نہیں دیتا کہ خدا کے احکام کے خلاف باتوں میں اس کی پیروی ہو۔ میں اگر اللہ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت ضرور جانو اور اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو میری بات نہ مانو۔"

اس بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی آئیڈیولوجی انسانوں کی بنائی ہوئی آئیڈیولوجی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ماخذ زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کی ہدایت ہے۔ یہ قرآن اور سنت رسول اللہ پر مبنی ہے اور جو چیز ان سے ٹکرائے، اس کے لیے اس میں کوئی گنجایش نہیں۔ اس کا اصولِ اطاعت یہ ہے کہ خدا کی اطاعت کرو اور خدا کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان اصحاب امر کی اطاعت کرو جو خدا کی ہدایت کے مطابق عمل کریں اور معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں۔ ضمناً اس سے یہ غلط فہمی بھی دور ہو جاتی ہے کہ اسلامی آئیڈیولوجی وہ ہے، جو مسلمانوں کی آئیڈیولوجی ہو۔ بلا لحاظ اس کے کہ وہ قرآن و سنت کے مطابق ہے یا ان سے متصادم۔ یہ نظریہ مستشرقین سے مسلمانوں میں آیا ہے۔(۱) قرآن و سنت میں اس کے لیے کوئی سند نہیں۔ مندرجہ بالا بحث سے یہ غلط فہمی دور ہو جاتی ہے اور پھر قرآن کی اس واضح آیت کے بعد تو اس کے لیے کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی کہ اگر مسلمان اسلام پر عمل نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ کوئی اور قوم پیدا کر دے گا، جو اس کی علم بردار ہو جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ (المائدۃ: ۵۴)

اے مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین کی راہ سے پھر جائے گا تو (وہ یہ نہ سمجھے کہ اس سے دین کو کچھ نقصان ہوگا) عن قریب اللہ ایک گروہ ایسے لوگوں کا پیدا کر دے گا جنہیں اللہ کی محبت حاصل ہوگی اور جو اللہ کو محبوب رکھنے والے ہوں گے۔

(۱) پروفیسر والفریڈ اسمتھ نے Modern Islam in India اور Am in Modern History۔ میں اس نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے۔

ایمان - ایک انقلابی قوت

۲- اسلامی آئیڈیولوجی کی دوسری بنیاد ایمان ہے۔ ایمان خدا پر، اس کے رسولوں پر اور زندگی بعد موت پر۔ یہی ایمان اس کی فکری اور فلسفیانہ بنیاد ہے اور اسی ایمان کے سہارے وہ زندگی کی تعمیر کے پورے پروگرام پر عمل کراتی ہے۔

انسان اور جمادات و حیوانات میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ انسان سوچ سمجھ کر اپنے لیے ایک راستہ منتخب کرتا ہے اور جمادات و حیوانات اس "ارادہ" سے محروم ہیں۔ درختوں کے نشو و ارتقاء کا ایک راستہ متعین ہے اور وہ خود اس سے سرِ مو بھی نہیں ہٹ سکتے۔ دریاؤں کے بہنے کا ایک قانون مقرر ہے اور وہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ حیوانات جبلت کے تابع ہیں اور وہ اپنی زندگی میں کوئی انقلاب نہیں لا سکتے۔ لیکن انسان کو شعور اور ارادہ دیا گیا ہے — وہ اپنا راستہ خود متعین کرتا ہے اور جو راستہ وہ متعین کر لیتا ہے اس پر عمل پیرا ہونے کا ملکہ بھی اس کو دیا گیا ہے۔

اسلامی آئیڈیولوجی انسان کے اس شعور اور آزادی کے اعتراف پر مبنی ہے اور وہ اس کے سامنے یہ بات رکھتی ہے کہ انسانوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ حیوانوں کی طرح بے سوچے سمجھے زندگی گزاریں۔ انسان کے سامنے دو راستے ہیں۔ خدا کی اطاعت کا راستہ اور خدا سے انکار کا راستہ۔ ایمان کا راستہ اور کفر کا راستہ۔ اور انسان کو ان میں سے کسی ایک کو پورے غور و فکر کے بعد قبول کر لینا چاہیے۔ اگر وہ ایمان کا راستہ قبول کرتا ہے؛ تو وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب و کامران ہوگا اور اگر کفر کا راستہ قبول کرتا ہے تو ناکامیاب۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الاحقاف: ۱۳، ۱۴)

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر قائم رہے تو نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہی لوگ جنت والے ہیں۔ یہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور (یہ نعمت انہیں) ان اعمال کے صلے میں (حاصل ہوگی) جو وہ کیا کرتے تھے۔

خدا اس کے رسولؐ اور زندگی بعد موت پر ایمان انسان کی زندگی میں ایک انقلابی

تبدیلی کا محرک ہوتا ہے۔ چوں کہ اسلامی آئیڈیولوجی کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے ہے اور چوں کہ زندگی کے ہر شعبے میں یہ ایک ہی رنگ (صبغۃ اللہ) کو غالب کرنا چاہتی ہے۔ اس لیے اس کا نقطۂ آغاز ایمان پیدا کرنا ہے، جس کے معنی انسان کے فکر و نظر کی تبدیلی ہے۔ یہ سماجی، معاشی اور معاشرتی اصلاحات سے پہلے انسان کے دل کو بدلتی ہے۔ اس کی نگاہ کو متاثر کرتی ہے۔ اس کے زاویۂ نظر اور سوچنے کے انداز کو تبدیل کرتی ہے۔ اسے ایک نیا نقطۂ خیال عطا کرتی ہے۔ تاکہ ہر انسان خود اپنی پوری زندگی کو خدا کی اطاعت کے سانچوں میں ڈھالنے کے لیے سرگرم عمل ہو جائے۔

خدا کی ہدایت سے ہٹ کر جتنے بھی فلسفے وضع کیے گئے ہیں، ان سب کی مشترک کم زوری یہ ہے کہ وہ خارج میں تبدیلی کے تو متمنی ہیں، لیکن انسان کے اندر کسی تبدیلی کا منصوبہ نہیں پیش کرتے۔ وہ شاخوں سے تو ضرور نبرد آزما ہوتے ہیں مگر جڑوں کو محفوظ چھوڑ دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ماحول کی درستی کی ہر ممکن کوشش کے باوجود برائی کا قلع قمع نہیں ہو پاتا۔ اگر ایک جگہ اسے دبا دیا جاتا ہے تو وہ دس نئے مقامات پر اُبھر آتی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے، جیسے فساد خون کا تو علاج نہ کیا جائے اور پھوڑے پھنسیوں پر پھائے لگا لگا کر مرض کو دور کرنے کی کوشش کی جائے!

اسلام اس نقطۂ نظر کے برخلاف پہلی ضرب جڑ ہی پر لگاتا ہے۔ وہ انسان کے دل و دماغ سے غیر اللہ کی عقیدت و محبت کو ختم کرتا ہے اور ایمان کو صرف خدا کے لیے خالص کر لیتا ہے۔ پھر جب ایمان پیدا ہو جاتا ہے اور سوچنے کا انداز اور فکر و نظر کے زاویے بدل جاتے ہیں تو پھر انسان کی پوری شخصیت تبدیل ہو جاتی ہے:

جان چو دیگر شد، جہاں دیگر شود

اسلامی آئیڈیولوجی اصلاح کا آغاز ایمان کی درستی سے کرتی ہے۔ خدا کے نبی جس چیز کا سب سے پہلے مطالبہ کرتے ہیں وہ ایمان ہی ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ایمان کے بغیر زندگی کی تعمیر کا کوئی سوال نہیں۔ نبی انسانوں سے کہتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّاس قولوا لَآ اِلٰہ الا اللّٰہ تُفلحوا

اے لوگو! کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس جبھی تم کامیاب ہو گے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لا یقبل اللّٰہ ایماناً بلا عملٍ ولاَ عملاً بلا ایمان۔

اللہ ایمان کو بغیر عمل کے قبول نہیں کرتا اور عمل کو ایمان کے بغیر قبول نہیں کرتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان سب سے بڑی قوت ہے اور کوئی تعمیری پروگرام اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا، جب تک اس کا نقطۂ آغاز ایمان کی اصلاح نہ ہو۔ خود تاریخ بھی اس حقیقت کی نشان دہی کرتی ہے کہ تاریخ کا سب سے بڑا انقلاب جو نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں برپا ہوا تھا اس کی کامیابی کا اصل راز ہی یہ تھا کہ خدا کے نبیؐ نے انسانوں کو ایک نیا ایمان دیا تھا اور پھر یہ ایمان ہی کی انقلابی قوت تھی کہ اس نے زندگی کے ہر شعبے کی قلب ماہیت کر دی۔ اس کی وجہ سے کسی جبر و استبداد کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ہر انسان کے دل میں خود ایک ایسی شمع روشن ہو گئی، جس نے بدی کی تاریکیوں کو چھانٹ دیا اور انسان کو ایک نیا روپ عطا کیا۔ اس کی وجہ سے ہر شخص خود اپنا نگراں بن گیا اور کسی بیرونی دباؤ کے بغیر وہ خود اپنا محاسبہ کرنے لگا۔ اس کی وجہ سے دنیا سے بے جا محبت آپ سے آپ ختم ہو گئی اور انسان نے اعلیٰ مقاصد کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔ اس کی وجہ سے برائیوں سے نفرت کا داعیہ ہر فرد کے نفس میں پیدا ہو گیا اور وہ بدی کے خلاف ایک ہمہ گیر جہاد میں مصروف ہو گیا۔ یہ ایمان ہی کا کرشمہ تھا کہ ہمیں ایک نوجوان ایسا بھی نظر آتا ہے، جو حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں خود آتا ہے اور کہتا ہے کہ "یارسول اللہ! میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں ـــ مجھ پر حد جاری کر دیجیے۔" یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک خاتون نبی بزرگ و برترؐ کے دربار میں آتی ہے اور خود کہتی ہے۔ "اے خدا کے فرستادہ! مجھ سے گناہ ہو گیا ہے۔ مجھے پاک کر دیجیے۔" یہ ایمان ہی کا ثمرہ ہے کہ ایک شخص کو کسریٰ کا تاج ملتا ہے اور وہ اسے اپنی گدڑی میں چھپا کر لاتا ہے اور بیت المال میں جمع کرا دیتا ہے اور لوگ پوچھتے ہیں کہ تمہارا کیا نام ہے تو کہتا ہے کہ "میں اس لیے نہیں بتاتا کہ تم تعریف کرو گے۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور میں اس کے ثواب پر راضی ہوں۔" یہ اسی ایمان کا ثمرہ ہے کہ جب نبیؐ خود ایک جاہل اعرابی کو مال غنیمت میں سے اس کا حصہ دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے: یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ میں اس لیے آپؐ کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ میں نے تو آپؐ کی رفاقت اس لیے اختیار کی تھی کہ اس جگہ (گلے کی طرف اشارہ

کر کے) تیر لگے تا کہ میں جنت میں جا سکوں۔" یہ اسی ایمان کا نتیجہ تھا کہ جب غزوۂ بدر کے موقعے پر خدا کا پیغمبرؐ جہاد میں شرکت کی ترغیب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ "بڑھو جنت کی طرف، جس کی وسعت زمین و آسمان ہیں۔" تو ایک شخص جو کھجور کے چند دانے کھا رہا تھا، ان کو پھینک دیتا ہے اور کہتا ہے: "اگر ان کھجوروں کو کھا لینے کا انتظار کروں گا تو بہت سا وقت لگے گا" اور میدان میں کود کر شہادت پاتا ہے۔ یہ اسی ایمان کا معجزہ ہے کہ جب امتناعِ شراب کا حکم آتا ہے تو اس سپردگی کے ساتھ اس کی اطاعت ہوتی ہے کہ جب کانوں تک خدا کا حکم پہنچتا ہے تو جو شراب پیالوں میں تھی وہ پھینک دی جاتی ہے اور جو قطرے ہونٹوں پر تھے وہ تھوک دیے جاتے ہیں اور مدینہ کی نالیوں میں شراب بہتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ اسی ایمان کا اثر ہے کہ ایک ناخواندہ بھی جب اس کا اعلان کر دیتا ہے تو پھر فسق و فجور سے اس طرح بھاگتا ہے جس طرح روشنی سے تاریکی اور جب وہ خدا کے رسول سے بیعت کر کے اپنے گھر کی طرف لوٹتا ہے۔ راستے میں وہ عورت ملتی ہے، جس سے وہ دل لگی کیا کرتا تھا اور وہ اسے مل بیٹھنے کی دعوت دیتی ہے تو وہ بے اختیار پکار اٹھتا ہے "اللہ کی اطاعت اور اسلام کے بعد اب اس کا کوئی امکان نہیں۔"

تاریخ کی کھلی کھلی شہادت ہے کہ ایمان ہی سے دراصل وہ تبدیلی آتی ہے، جو انسان کی پوری زندگی کو بدل دیتی ہے اور اسے اجتماعی فلاح کی راہ پر گامزن کر دیتی ہے۔ اور اسلامی آئیڈیولوجی کی دوسری بنیاد یہی حقیقت ہے۔

دین و دنیا کی وحدت

۳- اسلامی آئیڈیولوجی کی تیسری بنیاد دین و دنیا کی وحدت ہے اسلام نہ ترکِ دنیا کی تعلیم دیتا ہے اور نہ غلو فی الدنیا کی۔ وہ دین و دنیا کی تفریق کو ایک شیطانی نظریہ قرار دیتا ہے خواہ یہ دنیا کے نام پر پیش کیا جائے اور خواہ مذہب کے نام پر۔ نہ اسلام میں سیکولرزم کے لیے گنجایش ہے اور نہ رہبانیت کے لیے۔

مغربی فلسفہ کی ایک اساسی کمزوری یہ ہے کہ وہ روح اور مادہ کی تقسیم اور ان کے باہم تضاد پر قائم ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مذہب زندگی سے کٹ کر محض انفرادی عبادت میں محصور ہو گیا ہے اور پوری دنیا شیطان کی جولانیوں کا میدان بن گئی ہے۔ علامہ اقبال نے ایک جگہ صوفی اور

نبی کے فرق کو بیان کرتے ہوئے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ نبی محض عرفانِ ذات کے لیے نہیں تعمیرِ حیات کے لیے آتا ہے۔ وہ حق تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنے کے بعد مطمئن نہیں ہو جاتا بلکہ نورِ نبوت کے ذریعے زندگی کی تاریکیوں کو چھانٹتا ہے۔ خدا کی معراج کے بعد دنیا کی طرف لوٹتا ہے اور تاریخ کی رو کو بدلنے کی جدوجہد میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہی اسلامی آئیڈیولوجی کا نقطۂ نظر ہے۔ وہ زندگی کی نفی نہیں کرتی۔ اس کی صحیح بنیادوں پر تشکیل کرتی ہے اور حیات کے کسی شعبہ کو بھی دین کی رہنمائی سے آزاد نہیں کرتی۔ قرآن کا انسان سے مطالبہ ہے:

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

(البقرۃ: ۲۰۸)

اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے اور شیطان کے راستوں کی پیروی نہ کرو۔

نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ پوری دنیا خدا کی مسجد ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر پوری دنیا خدا کی مسجد ہے تو پھر دین سے باہر رہا کیا؟ خدا نے خود ہمیں اس بات کی تعلیم دی ہے کہ ہم آخرت اور دنیا دونوں کو سنواریں اور ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہ کریں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً ؕ (البقرۃ: ۲۰۱)

اے اللہ! تو عطا کر ہم کو دنیا میں جو ہمارے لیے بہترین ہے اور آخرت میں جو ہمارے لیے بہترین ہے۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (القصص: ۷۷)

اور تمہارا دنیا میں جو حصہ ہے اس کو نہ بھول جاؤ۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا:

اجملوا فی طلب الدنیا فانّ کلاً میسرٌ لما خلق له (ابن ماجہ)

دنیا کی طلب اپنی صلاحیت کے مطابق کرو۔ اس لیے کہ جس لیے آدمی پیدا کیا گیا ہے وہ ضرور اس کو ملے گا۔

اصلحوا دنیاکم واعملوا لاخرتکم کانکم تموتون غداً

(بحوالہ المدینہ والاسلام)

اپنی دنیا کو بہتر بناؤ اور آخرت کے لیے اس طرح کام کرو گویا تم کل ہی مر جاؤ گے۔

من سعٰی علٰی والدیه فهو فی سبیل اللّٰه۔ ومن سعٰی علٰی عیاله فهو فی سبیل اللّٰه ومن سعٰی علٰی نفسه لیعفها فهو فی سبیل اللّٰه ومن سعٰی علٰی التکاثر فهو فی سبیل الشیطان (بیهقی طبرانی صغیر)

جو والدین کے لیے محنت کرتا ہے وہ اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے، جو اہل وعیال کے لیے محنت کرتا ہے وہ بھی اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے۔ جو اپنی ذات کو فقر وفاقہ سے بچانے کے لیے کام کرتا ہے وہ بھی اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے اور جو فخر ومباہات اور شان و شوکت دکھانے کے لیے محنت کرتا ہے: وہ شیطان کی راہ میں کام کرتا ہے۔

نعم المطیّة الدنیا فارتحلوها فبلغکم الأخرة۔ (المدینة والاسلام)

بہترین سواری دنیا ہے، اس پر سوار ہو جاؤ اور اس پر قابو پالیا تو وہ تم کو آخرت تک پہنچادے گی۔

آپؐ نے ہمیں یہ دعا سکھائی:

اللهم اصلح لی دینی الذی هو عصمة اَمری۔ واصلح لی دنیائی التی فیها معاشی واصلح لی اخرتی التی فیها معادی واحینی ماکانت الحیوٰة خیراً لی وتوفنی اذاکانت الوفاة خیراً لی وجعل الحیوٰة زیاده لی فی کل خیرٍ واجعل الموت راحة لی من کل شرٍ (حصن حصین)

اے اللہ! تو میرے دین کو میرے لیے سدھار دے کہ وہ میرے ہر امر کا بچاؤ ہے۔ اور میرے لیے دنیا کو سدھار دے کہ اس میں میری معاش ہے۔ اور میرے لیے آخرت کو سدھار دے کہ اس طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے اور مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے اچھی ہے اور مجھے موت دے جب کہ موت میرے لیے اچھی ہو اور زندگی کو میرے لیے ہر نیکی میں اضافہ کا باعث بنا اور موت کو میرے لیے ہر برائی کے مقابلے میں موجب آرام بنا۔

مندرجہ بالا احادیث وآیات اسلامی آئیڈیولوجی کے مخصوص مزاج کو بڑی خوبی کے

ساتھ پیش کرتی ہیں۔ آئیڈیولوجی دنیا اور آخرت دونوں کو سنوارنا چاہتی ہے اور خود، آخرت کی سنوار کا ذریعہ بھی دنیا کے سدھار ہی کو قرار دیتی ہے۔ اگر انسان اس دنیاوی زندگی کو صحیح طریقہ پر منظم کرتا ہے تو یہی آخرت میں کامیابی کا راستہ ہے۔ یہ دین کو دنیا کے تابع نہیں کرتی بلکہ دنیا کو دین کے تابع کرتی ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر وعمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین

اجتماعی تحریک

۴۔ اسلامی آئیڈیولوجی محض ایک نظریہ ہی پیش نہیں کرتی ہے، بلکہ اس کو قائم کرنے، چلانے اور زمین پر وسعت دینے کے لیے ایک تحریک بھی برپا کرتی ہے۔ ''تحریک'' اس اجتماعی جدوجہد کا نام ہے جو کسی نصب العین کے حصول کے لیے منظم طور پر کی جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے دنیا کے سامنے ایک پیغام پیش کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نظام کو قائم کرنے کے لیے جس کے آپ داعی تھے، مسلمانوں کو ایک اجتماعی زندگی میں منظم کیا۔ خود ان کی زندگیوں پر اس کو قائم کیا اور ان کو پوری دنیا کے سامنے اس دین کی شہادت دینے کے کام پر مامور کیا۔ مسلمانوں کی اس اجتماعی تنظیم اور اس جماعت بندی کا نام اسلامی تحریک ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

الاسلام احوج الٰی الجماعة۔

اسلام میں جماعتی نظام نہایت ضروری ہے۔

ایک دوسری حدیث ہے:

الجماعة رحمة والفرقة عذابٌ۔

جماعت رحمت ہے اور متفرق ہونا عذاب ہے۔

اسی طرح مشہور حدیث ہے:

''میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، جن کا حکم مجھے اللہ نے دیا ہے۔ جماعت، سمع و

طاعت، ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد۔ یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور جس نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ جاہلیت کی بے قاعدگی کی طرف بلایا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔"

لوگوں نے عرض کیا: "کیا ایسا شخص جہنمی ہے اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو۔"

آپؐ نے فرمایا: "ہاں! اگرچہ وہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور اپنے زعم میں اپنے کو مسلمان سمجھتا ہو۔"

اس تحریک کا اصل کام خدا کے دین کو پھیلانا اور قائم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیا کو بھی یہی حکم دیتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ (المائدہ:٦٧)

اے رسول! جو (دین) تم پر تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے، اس کی تبلیغ کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے خدا کے فرض رسالت کو ادا نہیں کیا۔

اور پوری امت مسلمہ کا مشن بھی یہی قرار دیا گیا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ (آل عمران:١١٠)

تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لیے برپا کیے گئے ہو۔ نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ (المائدۃ:٨)

اے ایمان والو! اللہ کے لیے حق کی شہادت دینے والے بنو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (آل عمران:١٠٣)

اور چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ہو جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی آئیڈیولوجی اپنے قیام کے لیے ایک نظام بھی قائم کرتی ہے اور اس طرح ایک ایسی اجتماعی حیثیت قائم کرتی ہے، جو ایک طرف اس کے سماجی پروگرام کی تنفیذ کرے اور دوسری طرف پوری انسانیت کے سامنے اس کی دعوت کو پیش کرے۔ اسلامی تحریک ایک مشنری اور تعلیمی ادارہ ہے کسی بھی ریاست یا اجتماعی نظم کا یہ ادارہ قائم کرنا اصلاً معلّمی اور دعوت الی الحق کا فریضہ انجام دینا ہے۔

ثبات وتغیّر

۵- اسلامی آئیڈیولوجی کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ثبات وتغیر کے درمیان کامل توازن قائم کیا گیا ہے۔ امریکہ کے مشہور جج مسٹر کارڈوز نے کہا تھا کہ "آج کی اہم ترین ضرورتوں میں سے ایک ضرورت یہ بھی ہے کہ ایک ایسا فلسفۂ قانون مرتب کیا جائے، جو ثبات و تغیر کے متحارب تقاضوں کے مابین توافق وتعاون پیدا کرے اور اس طرح قانون کے نشو وارتقاء کے لیے چند کارگر اصول فراہم کرنے کا موجب ہو۔" انسان نے آج تک بے شمار فلسفے وضع کیے ہیں، لیکن کوئی فلسفہ بھی ایسا نظام فکر وعمل پیش نہ کر سکا، جو ایسے اصول معاشرت پیش کرے جو دائمی اور ابدی ہوں اور دوسری طرف انسانی معاشرے کی بدلتی ہوئی ضرورتوں کو بھی پورا کرتے رہیں اور انسان کے لیے محض اپنی فکر اور اپنے تجربے کی بنا پر ایسے اصول پیش کرنا ہے، بھی ناممکن۔ زمان ومکان کی جو مجبوریاں انسان کو لاحق ہیں، ان کی بنا پر وہ اس کام کے لیے نااہل ہے۔ اسلامی آئیڈیولوجی کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ زندگی کے ابدی اصول پیش کرتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انسانی سوسائٹی میں جو فطری تغیرات آتے ہیں ان سے پیش آمدہ مسائل کا حل بھی فراہم کرتی ہے۔

قرآن وسنت کے دیے ہوئے اصول ابدی ہیں اور اگر پوری انسانیت متفقہ طور پر بھی ان میں کوئی تبدیلی کرنا چاہیے تو اسے اس کا حق نہیں۔ یہ ہدایت خالق کائنات کی طرف سے ہے، انسانی فطرت کے مطابق ہے اور اس میں کسی تبدیلی کی نہ ضرورت ہے اور نہ گنجایش۔

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (یونس:٦٤)

خدا کی باتیں بدلتی نہیں یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ (الروم:۳۰)

خدا کی بنائی ہوئی چیز میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ یہی سیدھ دین ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ (فاطر:۴۳)

اور تم خدا کے طریقے میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی آئیڈیولوجی ابدی صداقت کی حامل ہے۔ اس میں کسی تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کی بدلتی ہوئی ضرورتوں کا یہ کیسے ساتھ دے گی۔ اس کا جواب مختصراً یہ ہے:

(ا) اس آئیڈیولوجی میں وہ بنیادی اور اساسی اصول بیان کیے گئے ہیں، جو ہر زمانے کے لیے ہیں اور چوں کہ وہ اصول انسانی فطرت کے مطابق ہیں، اس لیے جب تک انسان کی فطرت نہیں بدلتی، ان اصولوں کی تبدیلی کا کوئی سوال نہیں۔ اس زمین پر جو نظام حیات قائم ہے، اس کی کچھ بنیادیں ہیں اور تہذیبوں کے عروج و زوال اور ماہ و سال کی آمد و رفت کے باوجود حیاتِ انسانی کی بنیادی حقیقتیں ایک ہی ہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو رہی ہے۔ اب اس میں تغیر جو بھی ہوگا، وہ اس نئے نظام کے برپا ہوتے وقت ہوگا۔ جسے ہم آخرت کہتے ہیں۔ چوں کہ اسلام کے اصول اسی فطرتِ انسانی کے مطابق ہیں، اس لیے ان میں تبدیلی کا کوئی سوال نہیں۔

(ب) یہ اصول صرف انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں اور ان اساسی اداروں کو قائم کرتے ہیں، جن پر زمان و مکان کے تغیر کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ رہی وہ چیزیں، جن کا تعلق وقت موسم اور مقامی حالات وغیرہ پر ہے، ان سے یہ تعارض نہیں کرتے اور ہر زمانے کے لوگوں کو شریعت کی مجموعی تعلیمات کی روشنی میں تفصیلات طے کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسلام نے لباس میں ستر کا تعین کر دیا ہے، تشبہ بالکفار کی ممانعت کر دی ہے اور چند حدود مقرر کر دی ہیں۔ اب ان حدود

کی روشنی میں ہر زمانے اور ہر ملک کے لوگ اپنا لباس اختیار کر سکتے ہیں۔ اسلامی آئیڈیولوجی کوئی ایک لباس تجویز نہیں کرتی۔ اسی طرح معاشرت، معیشت اور سیاست میں بنیادی اصول اور اساسی ادارے قائم کرنے کے بعد شریعت مسلمانوں کو آزاد چھوڑتی ہے کہ پیش آمدہ معاملات کو اسلام کی مجموعی ہدایت کی روشنی میں اور ان حدود کو قائم رکھتے ہوئے جو خدا اور اس کے رسولؐ نے مقرر کی ہیں، اپنے اجتہاد سے حل کریں۔ اس طرح ثبات کے ساتھ ساتھ تغیر کے تقاضوں کو پورا کرنے کا بھی انتظام کر دیا گیا اور زندگی کے تسلسل کو بھی متاثر نہیں ہونے دیا گیا۔ اگر میں یہ کہوں تو شاید بے جا نہ ہو کہ اسلام نے بنیادی اصول مقرر کرنے کے بعد خود تغیر کے مطالبات کو پورا کرنے کے لیے بھی ایک اصول، اصولِ اجتہاد و اجماع (ایک نئے مسائل کو حل کرنے کی راہ کھولتا ہے اور دوسرا ماضی کے فیصلوں کو محفوظ کرنے کا بندوبست کرتا ہے تاکہ روایت منقطع نہ ہونے پائے) بھی وضع کر دیا تاکہ اس ابدی اصول کے ذریعے نئے معاملات کو طے کیا جا سکے۔

(ج) اسلامی آئیڈیولوجی کی اصل دل چسپی انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی ہے۔ قرآن انسان کی ہدایت کے لیے آیا ہے، سائنس یا جغرافیہ کے مسائل بیان کرنے کے لیے نہیں۔ اسی لیے اسلامی آئیڈیولوجی علوم طبیعی کے مسائل سے تعرض نہیں کرتی ہے اور انہیں انسان کے تجربہ اور مشاہدہ پر چھوڑ دیتی ہے۔ اس بات کو شاہ ولی اللہؒ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''من جملہ سیرت انبیاء کرام علیہم السلام کے ایک یہ ہے کہ جن باتوں کا تعلق نفیاً یا اثباتاً تہذیب نفس اور تزکیۂ روح یا سیاست امت کے ساتھ نہیں، ان میں وہ خوض نہیں کرتے۔ مثلاً کائنات الجو (وہ مناظر جو فضا میں نظر آتے ہیں مثلاً بجلی کا کوندنا، بادل اور بارش، برف، طوفان، شہابوں کی حرکت وغیرہ) کے ظہور میں آنے کے اسباب و علل، کسوف اور خسوف کی حقیقت یا بالفاظ دیگر نظام شمسی کی کیفیت، نباتات اور حیوانات کے انواع و اقسام اور ان کے وہ خصائص وغیرہ جن کا جاننا ترقی تمدن کا باعث ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ، جلد اول، ترجمہ مولانا عبدالرحیم صاحب)

اس بحث سے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ اسلامی آئیڈیولوجی انسانی زندگی کے ان مسائل سے تعرض کرتی ہے، جو ہدایت و ضلالت سے متعلق ہیں اور ہدایت و ضلالت کا قانون

ابدی ہے۔ باقی رہیں وہ چیزیں جو زمانے کے طبعی علوم سے متعلق ہوں، تو ان کے متعلق اس کا اپروچ یہ ہے کہ وہ انسان کو تفکر و تعقل اور جدوجہد کی دعوت تو دیتی ہے، لیکن مسائل کو اس کی اپنی عقل پر چھوڑ دیتی ہے۔ اسے ان کے نفی یا اثبات سے زیادہ غرض نہیں اور کسی چیز کا ذکر بھی کرتی ہے تو بطور تذکیر کے، نہ کہ کسی طبعی اصول کو بیان کرنے کے لیے۔ قرآن میں جن چیزوں کا ذکر بحیثیت حقائق کے ہے ان میں سے کسی کے ذرہ برابر بھی غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں اور آج تک کا سارا علمی سرمایہ اس پر شاہد ہے۔ لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ اسلام علم طبیعیات، علم کیمیا، علم نباتات، علم حیوانات، علم الارض وغیرہ کے نظریات پیش نہیں کرتا۔ وہ انسان کی ہدایت کا آئین پیش کرتا ہے اور ان تمام علوم میں ترقی کرنے اور ان کی معلومات سے استفادہ کرنے کے لیے اسے آزاد چھوڑ دیتا ہے۔

اسلامی آئیڈیولوجی کے اس اپروچ نے مذہب اور سائنس کے درمیان اس قسم کے تصادم کے امکانات ہمیشہ کے لیے ختم کر دیے ہیں جو یورپ میں رونما ہوا تھا۔ ان علوم میں تغیر و تبدل کے پورے امکانات موجود ہیں اور اسلام نے ان میں ارتقاء کے مواقع فراہم کر دیے ہیں اور کوئی پابندی ان پر نہیں لگائی۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں ثبات و تغیر کے تقاضوں کو کس خوب صورتی سے ملحوظ رکھا گیا ہے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے اصول ہر زمانے کے لیے راہ نما نہیں ہو سکتے اور اس میں تغیر و تبدل کی ضرورت ہے، وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یہ اصول کسی انسان کے ذہن کی تخلیق نہیں ہیں کہ ان پر زمان و مکان کا اثر پڑے۔ یہ اس خدا کے بنائے ہوئے ہیں، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ ان اصولوں کا ہی خالق نہیں، انسان، زمین و آسمان، فطرت اور خود زمان و مکان کا بھی خالق ہے۔ ''ماضی'' ''حال'' اور ''مستقبل'' کی اصطلاحات فانی انسانوں کے لیے ہیں۔ اس خدا کے لیے نہیں جو لافانی ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور کائنات کی ہر شے، جس کی قدرت کے تابع ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(الحدید: ۳)

جو اول بھی ہے اور آخر بھی اور ظاہر بھی اور باطن بھی اور وہ تمام چیزوں کا جاننے والا ہے۔

تدریج

۶- اس سلسلے کی آخری چیز یہ ہے کہ اسلامی آئیڈیولوجی کا طریقۂ کار غیر حقیقت پسندانہ نہیں ہے، وہ ہر کام کو مناسب اور معقول طریقے سے انجام دینا چاہتی ہے۔ وہ خدا کی ابدی ہدایت کو حرف بہ حرف قائم کرنا چاہتی ہے۔ لیکن چوں کہ اس کا اصل مقصد انسانوں کے لیے مشکلات پیدا کرنا نہیں ان کے لیے آسانیاں فراہم کرنا ہے، اس لیے وہ ایک مناسب تدریج کے ساتھ اپنے پورے لائحۂ عمل کی تنفیذ کرتی ہے۔ نبی کا اصل کام لوگوں کو ان مشکلات اور مصائب سے نکالنا ہے، جن میں وہ خود اتباع نفس یا ترک دنیا کی وجہ سے گرفتار ہو گئے ہیں۔ دین کے اوامر و نواہی کا یہی مقصد ہے۔

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ

(اعراف: ۱۵۷)

محمد رسول اللہ ﷺ ان کو نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں۔ پسندیدہ چیزیں حلال کرتے ہیں بری چیزیں حرام ٹھہراتے ہیں۔ اس کے بوجھ سے نجات دلاتے ہیں، جس کے تلے وہ دبے ہوئے ہیں اور ان پھندوں سے نکالتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے ہیں۔

پھر اسلام انسان پر اس بوجھ سے زیادہ بوجھ بھی نہیں ڈالتا، جس کا وہ متحمل نہ ہو سکے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ (بقرۃ: ۲۸۶)

اللہ کسی کو اس کی گنجایش سے بڑھ کر مجبور نہیں کرتا۔

دین کا مقصود آسانی پیدا کرنا ہے، بے جا مشکلات بڑھانا نہیں۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ (الحج: ۷۸)

تم پر اللہ نے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝

(النساء: ۲۸)

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے بار کو ہلکا کرے اور انسان کم زور پیدا کیا گیا ہے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۔ (بقرۃ:۱۸۵)

اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے، تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا:

بعثت بالحنيفية السمحة ان هذ الدين يسر۔

مجھے نہایت سیدھے سادے آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا بیشک یہ دین آسان ہے۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ''اگر مجھے اپنی امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنا فرض قرار دیتا۔'' جس سے معلوم ہوا کہ دین میں آسانی کو بھی ایک قدر کی حیثیت حاصل ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا گیا۔

پھر ہم اسلامی انقلاب کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نماز، زکوٰۃ، حرمتِ شراب، حرمتِ سود وغیرہ بے شمار احکام کی تنفیذ میں تدریج کا اہتمام فرمایا تاکہ اس کے بندے اس کے احکام کی اطاعت کے خوگر ہو سکیں اور آہستہ آہستہ اس نظام عدل کو پوری طرح اپنے اوپر نافذ کر لیں جو ان کے رب نے ان کی طرف نازل کیا ہے۔

اسلامی آئیڈیولوجی کے نفاذ میں ہر دور میں اسی تدریج کا خیال رکھا جائے گا۔ جو قرنِ اول میں رکھا گیا تھا۔ تدریج اس آئیڈیولوجی کا ایک مستقل اصول ہے۔ اور اس کے ذریعے اس کا نفاذ زیادہ مکمل اور دیرپا ہو سکے گا۔

لیکن یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ تدریج کوئی من مانی چیز نہیں ہے۔ خود شریعت ہی نے اس تدریج کے اصول اور ضابطے بھی ہم کو بتا دیے ہیں اور انہیں اصولوں اور ضابطوں کے مطابق شریعت کی تنفیذ ہر زمانے میں عمل میں آئے گی۔ اور تدریج پر عمل پورے خوفِ خدا، احساسِ آخرت اور حقیقی اتباع کے جذبے ہی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ورنہ یہ ایک ایسا نازک میدان ہے کہ اس میں ذرا سی غلطی بڑے دور رس نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ نیز تدریج کے اصول انھی لوگوں کے لیے ہیں جو فی الحقیقت خدا کے قانون کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے نہیں جو تدریج کے نام پر اطاعت کا ہر قلادہ گردن سے اتار دینا چاہتے ہیں۔ قانون اطاعت کرنے والوں کے لیے ہوتا ہے۔ توڑنے والوں کے لیے نہیں۔

اگر ان باتوں کو ملحوظ رکھا جائے تو تدریج کا اصول اسلام کے ان عظیم احسانات میں سے ہے، جن پر عالمِ انسانیت بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔

(۳)

اسلامی آئیڈیولوجی اور فرد

اسلامی آئیڈیولوجی فرد اور سماج دونوں کی اصلاح و تربیت کو یکساں اہمیت دیتی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کرتی۔ جدید مغربی تحریکات کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ محض خارج میں تبدیلی کر کے نظامِ زندگی میں انقلاب لانا چاہتی ہے۔ انہوں نے فرد کو نظر انداز کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا اصلاحی پروگرام کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے برعکس مشرق کے مذہبی نظاموں نے صرف فرد کی اصلاح اور اس کی روح کو جلا بخشنے کے پروگرام بنائے، لیکن اجتماعی زندگی کی درستی سے بالکل صرف نظر کیا۔ نتائج کے اعتبار سے یہ نظام بھی ناکام رہے۔ اسلامی آئیڈیولوجی کی بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فرد اور سماج دونوں کی تطہیر اور ترقی کا پروگرام پیش کرتی ہے۔ ہر فرد کی صلاحیتوں کو خود اس کی اپنی اصلاح اور اجتماعی نظام کی تشکیلِ جدید کے لیے صرف کرتی ہے۔

اسلام ہر فرد کی جداگانہ شخصیت کا قائل ہے۔ وہ انسان کو محض نظامِ اجتماعی کا ایک بے جان پرزہ یا ماحول کا ایک پرتو نہیں سمجھتا۔ بلکہ اسے اصل تاریخ ساز، قرار دیتا ہے۔ اس میں انفرادی ذمے داری کا احساس بیدار کرتا ہے۔ اس کی اصلاح کے لیے اہم خطوط متعین کرتا ہے۔ فرد کی اصلاح کے لیے اسلام کا جو پروگرام ہے، اس کی چند نمایاں چیزیں یہ ہیں:

انفرادی ذمّے داری

اسلامی آئیڈیولوجی سب سے پہلے ہر فرد میں یہ احساس پیدا کرنا چاہتی ہے کہ وہ اپنے اعمال کا ذمے دار اور اپنی پوری زندگی کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ خدا کے سامنے ہر

فرد کی ذمہ داری انفرادی ہے اور اس طرح خود معاشرے میں بھی ہر فرد کی شخصیت کے تحفظ اور نشوو ارتقاء کا پورا پورا موقع ہونا چاہیے۔ قرآن انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلے خود اپنی اصلاح کی کوشش کرے۔ کوئی دوسری نیکی اپنی ذات کی اصلاح کو نظر انداز کرنے کا بدل نہیں ہو سکتی۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝ (البقرۃ: ۴۴)

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو مگر خود اپنی خبر نہیں لیتے؟ حالاں کہ خدا کی کتاب برابر تلاوت کرتے ہو (افسوس) کیا اتنی موٹی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟

پھر انفرادی ذمہ داری کے اصول کو قرآن نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ (حٰمٓ سجدہ: ۴۶)

جس کسی نے نیک کام کیا تو اپنے لیے کیا۔ اور جس کسی نے برائی کی تو خود اس کے آگے آئے گی۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ (الانعام: ۱۶۴)

اور کوئی جان نہیں کماتی مگر اس کا وبال اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

حضور اکرمؐ نے اس اصول کو ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے:

الا لایجنی جان الاعلیٰ نفسہٖ

ہاں! مجرم اپنے جرم کا آپ ذمے دار ہے۔

پھر ہر فرد کو اس کام اور اس منصب کے فرائض کے سلسلے میں ذمے دار قرار دیا، جو اس کے سپرد ہو اور اس طرح انسان کی زندگی کو ذمے داری کی زندگی بنا دیا۔

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ (بخاری)

تم میں سے سب گلہ بان ہیں اور ہر ایک گلہ بان سے اس کے گلے کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

قرآن و حدیث کی انھی تعلیمات کی بجا آوری کے لیے اسلامی آئیڈیولوجی سب سے پہلے فرد میں احساس ذمے داری کو بیدار کرتی ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات نقش کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ اسے اپنے ہر ہر عمل کی انفرادی طور پر جواب دہی کرنی ہوگی۔

ایمان اور علم دین

۲۔ فرد کی اصلاح کے لیے دوسری ضرورت اس امر کی ہے کہ خدا، رسول اور آخرت پر برابر تازہ کیا جاتا رہے اور اس بات کی ہر ممکن کوشش کی جائے کہ ایمان کے نقش گہرے تر ہوتے جائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے علم دین کی فراہمی سب سے اہم ہے۔ اسلام حصول علم کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ جیسا کہ امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ دین کا اتنا علم کہ اسلام کیا ہے اور اس کے بنیادی مطالبات کیا ہیں فرض عین کا درجہ رکھتا ہے۔ پھر علم دین کے ساتھ ساتھ اس علم کا حصول بھی واجب ہے جو زندگی کے قیام اور تمدن کے فروغ کے لیے ضروری ہے۔

قرآن علم کو خدا کا فضل قرار دیتا ہے اور انسان کو تعلیم دیتا ہے کہ وہ اضافۂ علم کی دعا مانگا کرے۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۝ (النساء: ۱۱۳)

(اور اے پیغمبر) ہم نے تم کو ان سب چیزوں کی تعلیم دی جن کو تم نہ جانتے تھے اور خدا کا فضل آپ پر عظیم ہے۔

وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۝ (طٰہٰ: ۱۱۴)

اور آپ دعا کیجیے: پروردگار! میرا علم اور زیادہ کر۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلمٍ۔

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

آپؐ نے مزید فرمایا:

''علم سیکھو'' اس لیے کہ وہ حلال وحرام میں تمیز سکھاتا ہے اور اہل جنت کا راستہ بتاتا ہے۔ وہ وحشت میں انس ومحبت پیدا کرتا ہے، تنہائی کا ساتھی ہے، عسرت وتنگ دستی میں راہ نما ہے۔ دشمنوں کے مقابلے میں بہترین ہتھیار ہے۔ دوستوں کا نایاب ساتھی ہے۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قوموں کو عروج عطا فرماتا ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ نیکوں کے قائد وراہ نما اور امام بن جاتے ہیں۔ اور ان کے اعمال وافعال کی پیروی کی جاتی ہے اور ان کی رایوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔'' (جامع بیان العلم)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی آئیڈیولوجی علم کے فروغ (خصوصیت سے علم دین) کو ایک بڑا اور اونچا مقام دیتی ہے اور جب تک ہر فرد کو اس کے دین سے اچھی طرح آگاہ نہیں کر دیتی وہ اپنی بنیادی ذمے داری سے عہدہ برا نہیں ہوتی۔ یہ وہ چیز ہے، جس پر فرد کے ایمان کے استحکام کا اور عملی زندگی کی تعمیر کا انحصار ہے۔ اس لیے اسلامی آئیڈیولوجی کا کوئی پروگرام اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔

جذبۂ عمل اور عملِ صالح

۳۔ علم دین کا اصل مقصد عملی زندگی کی اصلاح ہے۔ اس لیے اسلام ہر فرد میں جذبۂ عمل بیدار کرتا ہے۔ اور سعی وجہد کی اہمیت اس کے ذہن پر مرتسم کرتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰىۙ وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰىۖ

(النجم: ۳۹، ۴۰)

یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جاتی ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ

(النساء: ۳۲)

مَردوں کے لیے وہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کے لیے وہ ہے جو وہ کمائیں۔

نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے:

من جد وجد ولكل مجتهد نصيبٌ۔ (المدینۃ والاسلام)

جو شخص کوشش کرے گا اس کو اس کی کوشش کا پھل ملے گا اور ہر کوشش کرنے والے کو کچھ نہ کچھ ملتا ہے۔

اسعوا فان الله كتب عليكم السعي۔ (مسند امام احمد)

کوشش کرو، کیوں کہ اللہ نے تم پر کوشش کرنی فرض کی ہے۔

جذبۂ عمل کو بیدار کر کے اسلام فرد میں یہ احساس بھی پیدا کرتا ہے کہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ اچھے اعمال کرے۔ ایمان جس کے نتیجے میں اچھے اعمال رونما نہ ہوں، اس بیج کی طرح ہے جو بار آور نہ ہو سکے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

الايمان معرفة بالقلب واقرار باللسان وعمل بالاركان

(کنوز الحقائق)

ایمان، دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کا نام ہے۔

لايقبل الله ايماناً بلاعملٍ ولا عملاًبلا ايمانٍ (ايضاً) ان من اكمل الايمان حسن الخلق۔ (ایضاً)

اللہ ایمان کو بغیر عمل قبول نہیں کرتا اور عمل کو بغیر ایمان قبول نہیں کرتا عمدہ واخلاق کمالِ ایمان ہے۔

عمل صالح کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرنے کے بعد اسلام ان اچھی صفات کی پوری تفصیل بھی بیان کرتا ہے، جن سے انسان کو متصف ہونا چاہیے اور ان برائیوں کی نشان دہی کرتا ہے جن سے اسے بچنا ہے:

اسلامی آئیڈیولوجی اس امر کی پوری کوشش کرتی ہے کہ وہ انسان کو عملِ صالح کی ترغیب دے اور اس طرح ہر فرد کو خیر کا چلتا پھرتا نمونہ بنائے۔ اس لیے کہ دنیا وآخرت کی کامیابی کا انحصار عمل صالح پر ہی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ (النور: ۵۵)

تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے

کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا — جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی۔

عبادات

۴- فرد کی اصلاح کا ایک موثر ترین ذریعہ اور اس کی تربیت کا ایک مستقل نظام اسلامی عبادات ہیں۔ ان کی اتنی اہمیت ہے کہ قرآن کہتا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ

(الحج: ۴۱)

مسلمان وہ ہیں کہ جب انہیں زمین میں اقتدار عطا کیا جاتا ہے تو وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

اسلام نے عبادات کا ایک مفصل پروگرام دیا ہے، جس میں نہ کسی اضافے کی ضرورت ہے اور نہ کسی کمی کی گنجایش۔ اس نظامِ عبادت کو قائم کرنا اسلامی آئیڈیولوجی کا اولین مقصد ہے۔

افراط وتفریط سے بچنا

۵- اسلامی آئیڈیولوجی فرد میں یہ احساس بھی پیدا کرتی ہے کہ وہ افراط وتفریط سے بچے۔ نہ صرف دنیا کا ہو کر رہ جائے اور نہ صرف مذہب کا غلو فی الدّین اور غلو فی الدّنیا دونوں سے روکا گیا ہے۔ اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے:

خَیْرُ الامور اوسطھا۔

ہر ایک کام میں اوسط درجہ بہت ہی اچھا ہے۔

ایک صحابی عثمان بن مظعونؓ عبادت میں غلو سے کام لیتے تھے۔ آپؐ نے کہلا بھیجا کہ ''تم میری سنت سے اعراض کرتے ہو'' انہوں نے جواب دیا: ''خدا کی قسم یا رسول اللہؐ! ہرگز نہیں بلکہ میں تو آپؐ کی سنت کا طالب ہوں۔''

تو آپؐ نے فرمایا:

''میں تو سوتا بھی ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس عثمان! اللہ سے ڈرو۔ تمہارے اہل وعیال کا تم پر حق ہے،

اور تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے، اور تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔ روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھا کرو، سویا بھی کرو۔''

(ابوداؤد)

ایک اور حدیث ہے:

اعمل لدنیاکَ کانک تعیش ابداً واعمل لاٰخرت کانک تموت غداً۔

دنیا کے کاموں میں ایسی کوشش کرو کہ گویا تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت کے لیے اس طرح عمل کرو گویا تم کل ہی مر جاؤ گے۔ (المدینہ والاسلام)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ۝

(الفرقان: ۶۷)

وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے لیکن کنجوسی بھی نہیں کرتے ان کی روش دونوں حالتوں کے بین بین اعتدال پر رہتی ہے۔

اسلامی آئیڈیولوجی ہر فرد میں اعتدال کی روش اختیار کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور اسے اوسط درجے کی زندگی گزارنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اس لیے کہ میانہ روی صفاتِ نبوت میں سے ایک ہے۔

تحریکِ اقامتِ دین

۶- اسلامی آئیڈیولوجی کا یہ بھی ایک جزو ہے کہ وہ ہر فرد میں اقامتِ دین کی جدوجہد کا جذبہ پیدا کرے۔ تاکہ ہر فرد اسلام کا سپاہی اور اس کا سفیر بن جائے، اس جدوجہد کی وجہ سے ایک طرف ہر فرد باطل کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کی وجہ سے خود اپنے آپ کو برے اثرات، خرابی [illegible] طاغوت کی اثر اندازیوں سے محفوظ رکھ سکے گا اور دوسری طرف [illegible] کے نتیجے میں [illegible] توں کو استحکام و ترقی حاصل ہوگی اور بالآخر اسلام خدا کی ساری زمین پر غالب [illegible] ہوگا۔

اسلام مسلمانوں کو ''[illegible] وسط'' قرار دیتا ہے اور اس امت کی تخلیق کا مقصد ہی یہ قرار

دیتا ہے کہ وہ انسانیت کی مصلح ہے۔ نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے تا کہ خدا کی زمین خدا کے دین کے لیے خالص ہو جائے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران:۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کیے گئے ہو۔ نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اسی طرح امت کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الانفال:۳۹)

اور جہاد کرو حتیٰ کہ فتنہ کا قلع قمع ہو جائے اور پورا دین خدا کے لیے خالص ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ (المائدہ:۸)

اے ایمان والو! اللہ کے لیے حق کی شہادت دینے والے بنو۔

امت کی اسی حیثیت کی بنا پر ہر فرد کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ اقامت دین کی جدوجہد میں شرکت کر کے اور اپنی زندگی کا اصل مقصد دنیا کمانے کو نہیں بلکہ دین قائم کرنے کو قرار دے اور اس راہ میں جس قربانی کی بھی ضرورت پڑے اسے پیش کرنے میں دریغ نہ کرے۔

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

(التوبۃ:۴۱)

ایمان والو! دین کی دعوت اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے گھروں سے نکلو اور چل پڑو خواہ تم ہلکے ہو یا بھاری اور اللہ کے راستے میں جان اور مال سے کوشش کرو۔

اسلامی آئیڈیولوجی فرد کی اصلاح کے لیے جو پروگرام پیش کرتی ہے، اس میں مندرجہ بالا ذیلی نکات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

(۴)

مُعاشرتی نظریہ

انفرادی اصلاح کے ساتھ اسلامی آئیڈیولوجی اجتماعی زندگی کی تعمیر و تشکیل کے لیے بھی واضح ہدایات اور ایک سوچا سمجھا منصوبہ پیش کرتی ہے۔ اس سلسلے میں چند بنیادی اصول ہیں۔ جن پر اسلام اپنے معاشرتی پروگرام کو مرتب کرتا ہے اور پھر چند اساسی ادارے ہیں، جن کے ذریعے وہ اس پروگرام کی تنفیذ کرتا ہے۔

معاشرتی نظریے کی بنیادیں

اسلام کے معاشرتی نظریے کی بنیادیں یہ ہیں:

۱۔ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ دین کا رشتہ تمام مسلمانوں کو ایک وحدت میں جوڑ دیتا ہے اور یہ رشتہ اتنا قوی ہے کہ اسے دوسرے تمام تعصبات اور عصبیتوں کو مغلوب کر لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات:۱۰)

وہ لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، بھائی بھائی ہیں۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران:۱۰۳)

سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے:

"ایک مومن دوسرے مومن کے لیے دیوار کے مانند ہے ایک جزو دوسرے جزو کو تقویت پہنچاتا ہے۔" (بخاری)

مزید فرمایا:

"تو اللہ پر ایمان رکھنے والوں کو ایک دوسرے سے رحم اور محبت اور مہربانی میں ایسا دیکھے گا جیسا کہ بدن میں ایک عضو مریض ہو جائے تو سارے اعضا بخار اور بیداری میں اس کے شریک ہوتے ہیں۔"

اُخوۃ بین المسلمین اسلام کے معاشرتی نظریے کی پہلی بنیاد ہے۔

۲- تمام انسان خدا کی مخلوق ہیں، رنگ، زبان، نسل، قبیلہ، برادری، ملک اور قوم کی کوئی تفریق ایسی نہیں ہے، جو انسانوں میں اونچ نیچ قائم کرے۔ ایسے تمام تصورات جاہلی تصورات ہیں اور اسلام مساواتِ انسانی اور وحدتِ انسانی کی بنیاد پر اپنے تمام معاشرتی تعلقات استوار کرتا ہے۔ پوری انسانیت آدم کی اولاد ہے۔ اور سب ایک خدا کے قانون کے تابع ہیں۔ توحید صرف نظامِ کائنات میں وحدت اور ایک خدا ہی کا تصور پیش نہیں کرتی ــــ بلکہ وحدتِ انسانی کا تصور بھی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ پھر مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اور اللہ خوب جاننا اور خبردار ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (النساء:۱)

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو وہ پروردگار جس نے تمہیں اکیلی جان سے پیدا کیا۔ اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر دیا۔ پھر ان دونوں کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی ایک بڑی تعداد دنیا میں پھیلا دی۔ پس دیکھو اللہ سے ڈرو۔

حدیث میں آتا ہے:

الخلق كلهم عيال الله فاحبّهم الى الله انفعهم لعياله.

(جامع صغیر)

تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ پس اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کے کنبہ کے حق میں مفید ہو۔

يايها النّاس الا ان ربكم واحد وان اباكم واحد الا لَا فضل لعربى على العجمى ولا للعجمى علٰى عربى ولا لاحمر علٰى اسود ولا لِاَسود علٰى احمر اِلّا بالتقوىٰ. (مسند احمد)

اے لوگو! ہاں بیشک تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے ہاں! کوئی فضیلت نہیں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر۔ سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر مگر تقویٰ کے سبب سے۔

اس طرح وحدتِ انسانی اور معاشرتی مساوات اسلام کے معاشرتی نظریے کی دوسری بنیاد ہیں۔

۳- عورت اور مرد معاشرت کے دو ستون ہیں ــــ دونوں کی اپنی اپنی شخصیت ہے اور دونوں سماج کے معمار ہیں۔ عورتوں اور مردوں میں قانونی مساوات ہے اور دونوں کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق ہیں۔ عورت اور مرد کا عام رشتہ بھائی اور بہن کا ہے اور وہ ایک دوسرے کے لیے اس طرح حرام ہیں، جس طرح سگے بھائی بہن۔ نکاح وہ طریقہ ہے، جس سے یہ ایک دوسرے کے شریکِ زندگی ہوتے ہیں اور یہی وہ جائز اور صحت مند رشتہ ہے، جس کے ذریعے یہ ایک دوسرے کے لیے حلال ہو سکتے ہیں۔ اس رشتے سے خاندان کی بنیاد پڑتی ہے اور خاندان کے نظام میں دونوں کو ایک دوسرے پر حقوق حاصل ہیں۔ لیکن شوہر خاندان کا قوام ہے اور اس حیثیت سے اسے ایک درجہ فضیلت حاصل ہے۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ (الاعراف: ۱۸۹)

وہی ہے جس نے اکیلی جان سے تمہیں پیدا کیا اور اس سے جوڑا بنا دیا۔ تاکہ وہ اس کی رفاقت میں چین پائے۔

ان لکم علیٰ نساء کم حقا و لمن علیک حقاً. (طبری)

(حضورؐ نے فرمایا) تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء: ۳۴)

مرد عورتوں کے لیے قوام ہے۔

۴۔ معاشرے کی عام فضا خیر خواہی، تعاون، اشتراک عمل اور بھائی چارہ کی ہونی چاہیے۔ لوگ جب آپس میں ملیں تو ایک دوسرے پر سلامتی بھیجیں۔ ہر شخص اپنے بھائی کے لیے وہی چاہے، جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔ غیبت، چغل خوری، کینہ پروری، سوءِ ظن اور بے جا حرف گیری سے سب پرہیز کریں۔ نیکیوں میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ بلکہ سبقت لے جانے کی کوشش کریں اور برائیوں سے ایک دوسرے کو روکیں۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ (المائدہ: ۲)

بھلائی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر ہرگز کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔

وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (القصص: ۷۷)

اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور زمین میں فساد کا خواہش مند نہ بن۔ اللہ تعالیٰ مفسدوں کو پسند نہیں فرماتا۔

وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ (حٰمٓ سجدہ: ۳۴)

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ آپ نیک برتاؤ سے بدی کو ٹال دیا کیجیے پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا۔ جیسا کہ ولی دوست ہوتا ہے۔

الدّین النّصیحة (حدیث)

دین خیر خواہی کا نام ہے۔

حضور اکرمؐ نے یہ دعا مانگی اور مسلمانوں کو اس کی تعلیم کی کہ:

اللّٰھم اِنی اعوذبک من ان اظلم اواظلم اواعتدی او یعتدی علیّ او اکتسب خطیئة او ذنبا لاتغفرہ۔

(حصن حصین)

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں دوسروں کو مضرت پہنچانے سے اور اس مضرت سے جو دوسرے مجھے پہنچائیں اور خود حدودِ معینہ سے تجاوز کرنے سے اور دوسروں کے حدودِ معینہ سے تجاوز کرنے سے یا ایسی خطا کاری سے جس کو تو معاف کرنا نہ چاہے۔

اس طرح اسلام معاشرے کی عام فضا کو حسنات سے بھر دینا چاہتا ہے۔

۵۔ اسلامی آئیڈیولوجی ہر فرد میں اجتماعی ذمّے داری کا تصوّر پیدا کرتی ہے اور پورے معاشرے میں یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ وہ نیکیوں کو قائم کرنے والا، برائیوں کو روکنے والا اور ایک دوسرے کی مدد کرنے والا ہے۔ ایسی انفرادیت کے لیے جس میں دوسروں کے حقوق کا خیال نہ رکھا جائے اور جو اجتماعی ذمّے داری کے تصوّر سے نا آشنا بھی ہو۔ اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے:

وہ مسلمان جو لوگوں میں گھل مل کر رہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا رہے اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے گھل مل کر نہ رہے اور ان کی اذیتوں پر صبر نہ کرے۔ (ترمذی)

"تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیّت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ پس امام حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیّت کے بارے میں دریافت کیا

جائے گا اور ہر شخص اپنے اہل وعیال کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق دریافت کیا جائے گا۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اور غلام اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق بازپرس ہوگی۔'' (متفق علیہ)

قرآن پاک کا ارشاد ہے:

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (الذّٰریٰت:۱۹)

اور ان کے اموال واملاک میں سائل اور مفلس افراد کا بھی حق (حصہ) ہے۔

یہ آیت اور مندرجہ بالا احادیث اجتماعی ذمّے داری کے تصوّر کو پیش کرتی ہے اور اسلامی آئیڈیولوجی پورے معاشرے میں یہی جذبہ پیدا کرنا چاہتی ہے۔

۶- ان عمومی ہدایات کے بعد اسلام نے انسانوں کے باہم حقوق وفرائض کا ایک مکمل نظام بھی دیا ہے۔ جس پر بھائی بھائی کے حقوق، اہلِ خانہ کے حقوق، رشتے داروں کے حقوق، اہلِ محلّہ کے حقوق، غیر مسلموں کے حقوق، عام انسانوں کے حقوق حتیٰ کہ جانوروں اور درختوں کے حقوق تک کو متعیّن کر دیا ہے۔ تاکہ انسان محض جذبات کی رو میں بہہ کر ناانصافی کا مرتکب نہ ہو۔ اور معاشرہ صحت مند بنیادوں پر قائم رہے اور برابر ارتقا کرتا رہے۔

معاشرتی ادارے

مذکورِ بالا معاشرتی اصولوں کو بروے کار لانے کے لیے اسلام نے کچھ مستقل ادارے بھی قائم کیے ہیں، ان میں اہم ترین یہ ہیں:

(ا) خاندان، اسلام کے معاشرتی نظام میں خاندان کے نظام کو بڑی بنیادی اہمیّت حاصل ہے۔ یہ ادارہ وہ تربیت گاہ ہے، جہاں سے اسلام اچھے انسان تیار کرنا چاہتا ہے اور اخلاق حسنہ کی ابتدائی تربیت اسی مقام پر دیتا ہے تاکہ شروع ہی سے بچے میں اسلامی اقدار کا احترام پیدا ہو اور اس کی سیرت اسلامی سانچوں میں ڈھل جائے۔

(ب) قرابت۔ خون کے رشتوں کو اسلام نے قائم رکھا ہے اور وراثت کے قانون کے ذریعے انہیں ایک مستقل مقام دے کر صحت منداور فطری احساسات کو دوام عطا کیا ہے۔

(ج) محلّہ۔ اسلام کی تعلیمات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر محلّے کو معاشرے کا ایک یونٹ مانتا ہے۔ بلکہ اگر جسارت نہ ہو تو ہم یہاں تک کہیں گے کہ چھوٹے پیمانے پر اجتماعی زندگی کی تنظیم بندی اسلام کی روح سے زیادہ قریب ہے۔ جو حقوق ایک عام مسلمان کے دوسرے پر اسلام نے مقرر کیے ہیں۔ اور جو مقام ہمسایے کو دیا گیا ہے وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اجتماعی تنظیم ایسے اسلوب میں ہو، جس میں لوگوں کو ایک دوسرے کو جاننے اور باہم رنج وخوشی میں شریک ہونے کا پورا پورا موقع ملے، یہ اسی وقت ممکن ہے، جب معاشرتی تنظیم کا یونٹ مختصر رہے۔

(د) مسجد۔ معاشرتی تعلّقات کو استوار کرنے کے لیے مسجد کی حیثیت ایک مستقل ادارے کی سی ہے۔ اور اسلام کا معاشرتی پروگرام مسجد ہی کے ذریعے کامیاب ہوسکتا ہے اس میں مساجد کی صحیح تنظیم کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

(ہ) معاشرہ۔ عام معاشرے کو بھی اسلام ایک مستقل ادارہ قرار دیتا ہے اور باہم حقوق وفرائض کا ایک ایسا نظام مرتّب کرتا ہے کہ تمام لوگ ایک دوسرے کے ساتھ جُڑ جاتے ہیں۔

(و) احترامِ روایات۔ مسلم معاشرے کی روایاتِ صحیحہ (عرف) کا احترام اور ان کا استحکام بھی معاشرتی پالیسی کا ایک جزو ہے اور اس کے ذریعے مسلم معاشرہ کبھی بھی اپنے ماضی سے کٹ نہیں جاتا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ روایات میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ زندگی کے ہمہ گیر تقاضوں کی بنا پر تبدیلی ضرور ہوتی ہے، لیکن یہ تبدیلی مستقل اور خاموش ارتقا کے ذریعے ہوتی ہے۔ کسی شعوری اور غیر معمولی بغاوت یا ماضی سے انقطاع کے ذریعہ نہیں۔

(ز) نظامِ تعلیم۔ معاشرہ کے سدھار، اس میں اسلامی اقدار کے تحفظ اور اپنے نظامِ زندگی کو نئی نسلوں کی طرف منتقل کرنے کے لیے اسلامی آئیڈیولوجی نظامِ تعلیم کو بنیادی اہمیت دیتی ہے۔ اس پر بے شمار آیات، احادیث، اور آثار اور حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کا طریقہ دلالت کرتا ہے۔ آج بھی کلّی اصلاح اس ادارے کی اصلاح کے بغیر ناممکن ہے۔

(ک) ''نظام'' حدود و تعزیرات۔ معاشرے کی اصلاح کے تمام ذرائع اختیار کرنے کے بعد اسلامی آئیڈیولوجی حدود و تعزیرات کا ایک نظام بھی عطا کرتی ہے۔ جن کے ذریعے معاشرہ کو ان افراد سے محفوظ کیا جاتا ہے جو تعلیمی اور ترغیبی ذرائع سے اصلاح نہ پکڑیں اور معاشرے کے قانون کی خلاف ورزی کریں۔ ان حضرات کو اسلام قرار واقعی سزا دیتا ہے تاکہ معاشرہ ان کی دست درازیوں سے محفوظ رہے اور اس میں فساد رونما نہ ہونے پائے۔

(۵)

معاشی پروگرام

اسلامی آئیڈیولوجی ایک معاشی پالیسی بھی پیش کرتی ہے۔ اس کے درج ذیل اصول ہیں:

۱- سب سے پہلے وہ فرد اور جماعت دونوں کے ذہن سے اس باطل نظریے کو ختم کرتی ہے کہ اخلاق اور مذہب کا تعلق معاشی زندگی سے نہیں۔ قرآن پاک بڑے بلیغ انداز میں معیشت اور اخلاق کا تعلق بیان کرتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (الجمعہ: ۹، ۱۰)

مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے؛ تو تم اللہ کی یاد کی طرف دوڑو اور لین دین چھوڑ دو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

قرآن میں بے شمار مقامات پر معاش کو ''فضل اللہ'' کہا گیا ہے۔ اس سے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ سب خدا کی عنایت سے ہے اور معاشی زندگی کو بھی انسان کو اس طرح خدا کی حدود کا پابند بنانا چاہیے، جس طرح باقی تمام زندگی کو۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور: ۳۷)

وہ لوگ جنہیں خرید و فروخت اور تجارت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

اس طرح معاہدہ لکھنے اور صحیح گواہی دینے کو تقویٰ قرار دیا گیا۔ ناپ تول میں کمی کو ایسا عظیم گناہ کہا گیا کہ اس کی وجہ سے ایک پوری قوم کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔ اس طرح معاشیات اور اخلاق کا اساسی تعلّق قائم کیا گیا۔

۲- خدا کی ساری زمین کو انسان کے لیے میدانِ عمل قرار دیا گیا اور انسان کو ترغیب دی گئی کہ وہ اپنی معاش کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرے۔ معاشیات کی اصطلاح میں اسے پیداوار کو بڑھانے (Higher Production) کی پالیسی کہہ سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ (الاعراف:۱۰)

اور بے شک ہم ہی نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور اس میں تمہارے لیے سامانِ معاش پیدا کیے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (لقمان:۲۰)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اسے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔

اس بنیادی حقیقت کے اظہار کے بعد اسلام نے انسانوں کو مختلف طریقوں سے محنت، معاشی جدوجہد، اور حصولِ فراخی کی کوشش پر اکسایا ہے۔ اس طرح ہر شخص کو فروغِ پیداوار کے لیے سرگرمِ عمل کر دیا ہے۔

(ا) بے عملی: بے روزگاری اور گداگری کو ناپسندیدہ کہا گیا اور ان پر سخت وعید سنائی گئی۔

لایقعد احدکم عن طلب الرّزق ویقول اللّٰھم ارزقنی فقد علمتم ان السّماء لاتمطر ذھباً ولافضۃً۔ (المدینہ والاسلام)

تم میں سے کسی کو زیب نہیں دیتا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جانا۔ اور رزق تلاش نہ کرنا اور یہ کہتے رہنا کہ اللہ مجھے رزق عطا فرما بلکہ اس کے لیے جدوجہد بھی کرنی چاہیے۔ کیوں کہ تم جانتے ہو کہ آسمان تو سونا چاندی برساتا نہیں۔

ھٰذا (ای العمل) خیر لک من ان تجئی والمسئلۃ نکتۃ فی وجھک یوم القیامۃ۔

تمہارے لیے کام کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن تم اپنے چہرے پر سوال کا داغ لیے ہوئے آؤ۔

(ب) مثبت طور پر رزق کی جدوجہد پر اکسایا اور اسے ہر مسلمان پر فرض کیا۔

قال رسول اللّٰہ اذا صلّیتم الفجر فلا تنوموا عن طلب ارزاقکم (کنز العمال)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو روزی کی تلاش سے غافل ہو کر سوتے نہ رہو۔

کرم الدنیا الغنی و کرم الاٰخرۃ التقویٰ۔ (کنز الحقائق)

دنیا کی شرافت غنیٰ اور فراخ دستی ہے اور آخرت کی شرافت تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

ان اللّٰہ یحب ان یری العبد محترفاً۔ (ایضاً)

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو، کوئی پیشہ کرتے ہوئے دیکھنا پسند کرتا ہے۔

اجملوا فی طلب الدنیا فان کلامیسر لماخلق لہ۔ (ابن ماجہ)

دنیا کی طلب اپنی صلاحیت کے مطابق کرو اس لیے کہ جس لیے آدمی پیدا کیا گیا ہے وہ اس کو ضرور ملے گا۔

ان اللّٰہ یعطی العبد علیٰ قدر ھمۃ۔

اللہ تعالیٰ بندے کو ہر چیز اس کی ہمت اور طلب کے مطابق عطا فرماتا ہے۔

خود قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (القصص:۷۷)

اور دنیا میں جو تمہارا حصّہ ہے اسے نہ بھول جاؤ۔

حضور اکرمؐ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک صحابی دستِ سوال دراز کر رہے تھے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے بتایا دو درہم ہیں۔ آپ نے ان میں سے ایک درہم کی کلہاڑی خرید دی اور لکڑیاں کاٹنے پر لگا دیا۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

من فروض الكفاية الحرف والصنائع وما يتم به المعاش

(المنہاج۔ ج۷۔ ص: ۱۹٤)

صنعت وحرفت کے ذریعے روزی کی تکمیل انسان پر فرض کفایہ ہے۔

من الذنوب ذنوب لا يكفرها الا الهمّ فی طلب المعيشة۔

(بحران الاوسط)

بعض گناہوں کا کفارہ روزی کمانے میں مغموم ومتفکر رہنا ہے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے۔ تاکہ سوال سے بچے اور اہل وعیال کی کفالت کرے اور ہمسایہ کی مدد کرے۔ تو قیامت کے دن جب وہ اٹھے گا تو اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔"

ان آیات واحادیث سے محنت اور معاشی جدوجہد کی اہمیت ہمارے سامنے آتی ہے۔ انھی کی روشنی میں پیداوار کو بڑھانے اور معیشت کو تقویت دینے کی پالیسی اسلام کی معاشی آئیڈیولوجی کا ایک اہم جزو قرار پاتی ہے۔

۳- اسلامی آئیڈیولوجی کے مثبت معاشی مقاصد میں غربت کا انسداد اور تمام انسانوں کو معاشی جدوجہد کے مساوی مواقع فراہم کرنا بھی شامل ہے۔ یہ اس کے اوّلین مقاصد میں سے ہے۔ اسلامی آئیڈیولوجی کا سب سے اہم مقصد کفر کا کلی استیصال ہے۔ چوں کہ فقر وفاقہ انسان کو کفر کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس لیے اسلام ان کو بھی اپنا اہم ترین ہدف سمجھتا ہے۔ اسلامی آئیڈیولوجی کی تمام ہی معاملات میں یہ اپروچ ہے کہ وہ برائی ہی کو ختم نہیں کرتی، بلکہ ان اسباب وذرائع کو بھی ختم کرتی ہے، جو اس برائی کی طرف لے جانے والے ہیں۔ امام ابن قیمؒ نے شریعت کے اس اصلاحی طریقے کو سدِّ باب ذریعہ کا نام دیا ہے۔ چوں کہ فقر وفاقہ کفر کی طرف لے جانے والے اسباب میں سے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد نبویؐ میں آتا ہے اس لیے ان کا انسداد اسلامی نظمِ معیشت کے اوّلین مقاصد میں سے ہے۔

حضورؐ کا یہ ارشاد بھی ہے:

ليس لابن ادم فی سوا هذه انحصال بيت يسكنه وثوبٌ يوارى عورة و جلف الخبز والماء۔

(ترمذی)

ابنِ آدمؑ کا بنیادی حق بس یہ ہے کہ اس کے لیے ایک گھر ہو جس میں وہ رہ سکے، کپڑا ہو جس سے وہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکے اور کھانے کے لیے روٹی اور پینے کے لیے پانی ہو۔

اسلامی آئیڈیولوجی اس بات کی کوشش کرتی ہے کہ سب کو حصولِ رزق کے مواقع دے اور مثبت طور پر ایسی پالیسیاں بنائے، جن سے ملک میں غربت وافلاس ختم ہوں۔ تمام انسانوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں لازماً حاصل ہوں۔

۴- اسلام تنگی کو دور کرنے کا طریقہ حصولِ رزق کی کوشش اور پیداوار بڑھانے کے ذرائع کی طرف رجوع قرار دیتا ہے۔ محض غربت، افلاس معیارِ زندگی کے گرنے کے خطرے اور قلّتِ وسائل کے واویلے سے انسان کشی اور زندگی کو تلف کرنے کی پالیسی کی اجازت نہیں دیتا۔ معاشی مسئلے کا حل انسانوں کو کم کرنا نہیں معیشت کو فروغ دینا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل: ۳۱)

اور تم اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم ہی ان کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، ان کو مار ڈالنا بڑی خطا ہے۔

یہاں یہ بات خصوصیت سے قابلِ غور ہے کہ غربت، افلاس اور معیارِ زندگی کے گرنے کے خطرے کے سبب قتلِ اولاد کو منع کیا گیا ہے۔ اس سبب کی نشان دہی نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ ان خطرات کی بنا پر کوئی بھی ایسی پالیسی جو بلاواسطہ یا بالواسطہ انسان کشی پر منتج ہوتی ہو، اسلامی آئیڈیولوجی سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اسلامی آئیڈیولوجی آبادی کے حقیقی مسئلے کا حل اضافۂ پیداوار کی شکل میں کرتی ہے۔ انسانوں کو کم کرنے کی شکل میں نہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

باب الرزق مفتوح الیٰ باب العرش۔ (کنوز الحقائق)

رزق کا دروازہ عرش تک کھلا ہوا ہے اور اسبابِ معیشت غیر محدود ہیں۔

نعم العون المغزل للمرأة علی الجلوس فی بیتها (ایضاً)

عورت کو گھر میں خالی بیٹھے رہنے کی جگہ چرخہ کاتنا اچھی کمائی کا مشغلہ ہے۔

امر رسول اللّٰہ ﷺ الاغنیاءَ باتخاذ الغنم وامرا للفقراء باتخاذ الدّجاج (ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے مال داروں کو حکم دیا کہ بکریاں پالیں اور غریبوں کو حکم دیا کہ مرغیاں پالیں تاکہ فراخی حاصل کریں۔

اس طرح اسلامی آئیڈیولوجی آبادی کے مسئلے کو ہر شخص کو پیداواری عمل میں مصروف کر کے حل کرنا چاہتی ہے۔ انسانوں کی تعداد کو ایک عمومی مہم کے ذریعے کم کر کے نہیں۔(۱)

۵- اسلام پیداوار کے اضافے اور معیشت کے ہمہ جہتی فروغ کی پالیسی اختیار کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی شرط بھی لگاتا ہے کہ آمدنی جائز ذرائع سے حاصل کی جائے گی۔ ہر اس نفعے کو جو حرام ذرائع سے حاصل ہو، وہ دوزخ کی آگ قرار دیتا ہے۔ قرآن وحدیث میں رزق حلال کی جتنی اہمیت بیان کی گئی ہے، وہ اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ اسلامی آئیڈیولوجی صرف جائز اور حلال رزق کے فروغ کی کوشش کرے

---

(۱) یہی نقطۂ نظر اب جدید معاشی مفکرین کے ایک اہم طبقے کا بھی ہے۔ مثلاً ڈاکٹر گولن کلارک لکھتے ہیں: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ معاشی وجوہ اس بات کے متقاضی ہیں کہ آبادی کے اضافے کی رفتار کو کم کیا جائے یا یہ کہ ایک قائم یا زوال پزیر آبادی اصل مطلوب ہے۔ مجھے ان میں کسی تجویز میں قطعاً کوئی دل چسپی نہیں۔ میرے خیال میں معاشی مفکرین کا کام یہ ہے کہ وہ بتائیں کہ معیشت کو آبادی کی ضرورتوں کے مطابق کیوں کر ڈھالا جاسکتا ہے، نہ یہ کہ آبادی کو معیشت کے مطابق کس طرح تراشا خراشا جائے۔ والدین اپنے ضمیر اور اپنی پسند کے مطابق بچے پیدا کرتے ہیں اور انہیں مستقبل میں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ کسی معاشی مفکر کو خواہ وہ کتنا ہی عالم وفاضل ہو، اور کسی وزیر اعظم کو خواہ وہ کتنا ہی طاقت ور ہو، یہ حق نہیں کہ وہ والدین سے یہ کہے کہ تم ایسا نہ کرو۔ ہرگز نہیں۔ سارے حقوق دوسرے ہی پلڑے میں ہیں۔ ہر باپ کو ضرور یہ حق ہے کہ وہ معاشین اور وزراء اعظم سے یہ مطالبہ کرے ــــ کہ وہ معیشت کو اس طرح منظم کریں کہ تمام لوگوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم ہو جائیں۔

گی۔ اور ان تمام ذرائع کا کلی انسداد کرے گی جو حرام ہیں، جن کو شریعت ناجائز اور ناروا قرار دیتی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا (بقرہ: ۱۶۸)

اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں۔ ان میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔

افضل الاعمال الکسب الحلال۔ (المدینہ والاسلام)

بہترین عمل حلال روزی کمانا ہے۔

طلب الحلال مثل مقارعة الابطال فی سبیل اللّٰہ ومن بات تعباً من طلب الحلال بات اللّٰہ عنه راضٍ۔

حلال روزی کا طلب کرنا ایسا ہے جیسے خدا کی راہ میں بہادروں سے لڑنا اور جو شخص حلال روزی حاصل کرنے کی کوشش کر کے تھک کر رات کو سو جائے تو خدا اس سے راضی ہے۔

یہاں حلال کی طلب کو بہادروں سے لڑنے سے تعبیر کرنے میں ہمارے نبیؐ نے محض ایک استعارہ استعمال نہیں کیا ہے۔ بلکہ فی الحقیقت حلال روزی کمانا کسی طرح بھی بہت بڑے اور بہادر دشمن سے لڑنے سے کم نہیں ہے۔

من طلب الدنیا حلالاً فی عفاف کان فی درجة الشهداء (ایضاً)

اور جو دنیا کو جائز طریقے سے بغیر کسی حرص کے طلب کرے۔ تو شہداء کے درجہ میں ہوا۔

حرام سے کمائی ہوئی روزی کے متعلق فرمایا:

کل لحم انبته السحت فالنار اولیٰ به۔

حرام روزی سے پرورش پایا ہوا گوشت اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آگ میں ڈالا جائے۔

طلبِ حلال اور اجتنابِ حرام کی ہدایت کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے، جو حرام ہیں، ان میں سب سے بڑھ کر سود ہے۔ خواہ اس کی کوئی بھی شکل ہو اور اسے لینے کو خدا اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح تجارتی

اخلاق کا ایک ضابطہ بنایا گیا ہے کہ اہل تجارت اس کا اتباع کریں۔ اگر اس کے خلاف عمل ہوتا ہے؛ تو وہ راہِ ثواب سے ہٹا ہوا ہے۔ اس طرح اسلام آمدنی کے ان تمام ذرائع کو بند کر دیتا ہے۔ جو غیر منصفانہ ہیں اور جن کی وجہ سے معاشرے میں فساد اور عدمِ استحکام رونما ہوتا ہے۔

۶- طلبِ حلال کے ساتھ ساتھ اسلام انسان کو جائز مصارف پر دولت خرچ کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے اور اسراف سے روکتا ہے۔ جس کی وجہ سے دولت کا بے جا استعمال اور اس کا ضیاع رُک جاتا ہے اور وہ تعمیری مقاصد کے لیے استعمال ہونے لگتی ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ (الاعراف:۳۱)

کھاؤ اور پیو مگر اسراف نہ کرو۔

اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ جو جائز ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے محنت کرتا ہے، وہ اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے اور جو محض آن بان دکھانے کے لیے دولت کماتا ہے، وہ شیطان کی راہ میں کام کرتا ہے۔

ومن سعٰی علٰی نفسہٖ لیعفھا فھو فی سبیل اللّٰہ ومن سعٰی علٰی التکاثر فھو فی سبیل الشیطان۔

۷- اسلام نے دولت کے احتکار کو بھی پسند نہیں کیا ہے۔ اس بات کا انتظام کیا ہے کہ مختلف قانونی اور اخلاقی تدابیر سے دولت کی تقسیم زیادہ سے زیادہ منصفانہ ہو اور پورے معاشرے میں گردش کرے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ (الحشر:۷)

ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف تمہارے دولت مندوں ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔

اقسمو المال بین الفرائض علٰی کتاب اللّٰہ۔ (ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق اپنا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جن کا حق مقرر کیا گیا ہے۔

دولت کی تقسیم کے لیے مندرجہ ذیل صورتیں تجویز کی گئی ہیں:

(ا) زکوٰۃ۔ جو ہر صاحبِ نصاب مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے اور جس کے ذریعے دولت مستقلاً اُمرا سے غربا کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ اس طرح اس کی گردش پورے

معاشرے میں عمل میں آتی ہے اور یہ کوئی خیرات نہیں بلکہ فقرا و مساکین کا "حق" ہے۔

(ب) صدقاتِ واجبہ۔ بہت سے ایسے صدقات مقرر کیے گئے ہیں جو مختلف مواقع پر ہر صاحبِ حیثیت مسلمان کو ادا کرنا ہوتے ہیں۔ جیسے صدقۂ فطر وغیرہ یہ بھی مندرجہ بالا مقصد کو پورا کرتے ہیں۔

(ج) انفاق۔ اسلام ہر مسلمان میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ مال سے محبت کو کم کرتا ہے اور خدا کی راہ میں خرچ کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ تقسیمِ دولت کو منصفانہ کرنے کا یہ ایک نہایت موثر ذریعہ ہے۔

(د) وراثت۔ یعنی ایک شخص کی وفات پر اس کی دولت کی منصفانہ تقسیم اس کے پورے خاندان میں ایک ترتیب کے ساتھ۔

(ہ) حق سوی الزکوٰۃ۔ زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کے علاوہ بھی اگر ضرورت محسوس ہو تو حکومت کو اس بات کا حق ہے کہ وہ لوگوں سے مزید مال بطور ٹیکس لے اور اسے استحکامِ حکومت اور قیامِ انصاف کے لیے صرف کرے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے:

انّ فی المال لحقاً سوی الزکوٰۃ۔ (ترمذی)

بے شک مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی حق ہے۔

(د) العفو۔ اور انسان کو صرف انفاق ہی کی ترغیب نہیں دی۔ بلکہ اس میں یہ جذبہ بھی پیدا کیا کہ اپنی ضرورت سے زیادہ جو بھی ہو، اسے خدا کی راہ میں اور دوسروں کی بہتری کے لیے خرچ کر دے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۭ (بقرہ:۲۱۹)

وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں۔ کہہ دیجیے العفو۔ یعنی جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

اس طرح اسلامی آئیڈیولوجی پورے معاشرے میں دولت کی تقسیم کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی پالیسی کے دو بنیادی اصول فروغِ پیداوار اور دولت کی منصفانہ تقسیم ہیں۔ وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کرتی۔

۸- اسلامی آئیڈیولوجی تمام زمین اور وسائلِ فطرت کو اصلاً خدا کی دین اور اس کی ملکیت قرار دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام معاشی معاملات میں انسان کو اس عظیم تر ملکیت کے تصوّر کے تحت، انفرادی ملکیت وتصرّف کا حق دیتی ہے۔ یہی وہ شکل ہے، جس میں انسان کی معاشی آزادی محفوظ رہ سکتی ہے اور اچھے اخلاق پروان چڑھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ حق غیر محدود نہیں ہے۔ اگر ملکیت آلۂ ظلم بن جائے یا دوسروں کے حقوق پر اس کا غلط اثر پڑ رہا ہو، تو ریاست کو مداخلت کا بھی حق ہے۔

۹- اسلام ریاست کے معاشی وظائف کا بھی ایک مثبت تصوّر پیش کرتا ہے اور سماجی فلاح اور معاشی انصاف کے قیام کو اس کی اوّلین ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ زکوٰۃ ایک سماجی فلاح کی اسکیم ہے۔ جس کے نظام کو ریاست کے ہاتھوں قائم کیا جاتا ہے۔ معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعہ ریاست معاشی انصاف قائم کرتی ہے، جس کا کوئی وارث نہیں۔ اس کی ریاست وارث ہے۔ ناداروں، اپاہجوں اور محتاجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے۔ یہ بھی اس کی ذمّے داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرنے کی ذمّے داری لے۔

السّلطان ولیّ من لاولیّ له. (بخاری)
حکومت ہر اس شخص کی ولی (دست گیر ومددگار) ہے، جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

من ترک کلاً فالینا. (بخاری ومسلم)
جس مرنے والے نے ذمّے داریوں کا کوئی بار (مثلاً قرض یا بے سہارا کنبہ) چھوڑا ہو وہ ہمارے ذمّہ ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صفا کی پہاڑیوں میں جو چرواہا اپنی بکریاں چراتا ہے اس کو بھی اس مال میں سے اس کا حصّہ پہنچے گا۔ اس کے لیے اُسے کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔"

اور یہ کہا:

"خدا کی قسم اگر اہلِ عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لیے زندہ رہ گیا تو ان کو اس حال

میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی اور امیر کی مدد کی احتیاج باقی نہ رہے گی۔"

حضرت علیؓ نے اس بات کو اس طرح ادا کیا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگوں پر ان کے اموال میں اتنی مقدار مقرر کی ہے جو غربا کے لیے کافی ہو سکے۔ اس کے باوجود اگر وہ بھوکے، ننگے اور تنگ دست ہوں تو یہ صرف دولت مندوں کی عدم توجہی اور بخل کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ ان اُمرا سے قیامت کے دن محاسبہ کرے گا۔"

۲- پھر ان احکام کے اتّباع میں جو نظام قائم ہوتا ہے، اس میں زمین اپنے خزانے اُگل دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتیں بارش کرنے لگتا ہے اور افلاس وتنگ دستی ختم ہو جاتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

تصدقوا فانه یاتی علیکم زمان یمشی الرجل بصدقة فلایجد من یقبلها. (بخاری)
اے لوگو! صدقہ دو۔ کیوں کہ تم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی صدقہ لیے لیے پھرے گا، مگر وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے گا جو اسے قبول کرے (یعنی اس کا حاجت مند ہو)

یہ ہیں اسلام کی معاشی آئیڈیولوجی کے بنیادی اصول اور حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کی نجات ان ہی اصولوں میں مضمر ہے۔

(۶)

سیاسی نظریہ

اسلامی نظریہ سیاست اور دین میں کسی دورنگی کا قائل نہیں۔ وہ سیاست کے سُدھار اور ریاست کے اسلامی بنیادوں پر قیام کو خود دین ہی کا بنیادی تقاضا سمجھتا ہے۔ نظام امارت کے قیام کو اوّلین اہمیت دیتا ہے۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ تین آدمی بھی ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں۔ اس کے بغیر زندگی گزارنا جائز نہیں۔ صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلے جس مسئلے کی طرف توجہ دی، وہ نظامِ امارت ہی کا قیام تھا۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نبی کی زبان سے یہ دعا کرائی ہے کہ وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنادے۔ یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر یا کسی حکومت کو میرا اور دین کا مددگار بنادے۔ تاکہ اس کی قوت اور وسائل کے ذریعے زندگی کے حقیقی بگاڑ کو دور کیا جاسکے۔ اور حضرت عثمانؓ کے اس قول میں یہی نکتہ بیان کیا گیا ہے:

ان اللّٰہ تیزع بالسلطان مالا یزع بالقران۔

اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدِّ باب کردیتا ہے جن کا سدِّ باب (محض) قرآن سے نہیں کرتا۔

اس بحث سے ریاست کی ضرورت اور اہمیّت واضح ہوجاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اسلامی آئیڈیولوجی سیاسی زندگی کے لیے کیا رہ نمائی دیتی ہے؟ مندرجہ ذیل صفحات میں اس سوال کی مختصر تشریح کی جائے گی۔

۱- ریاست خدا اور اس کے رسولؐ کے دیے ہوئے قانون کی پابند ہے، اور اس کا اوّلین کام

شریعت کو قائم کرنا ہے۔ اسلامی ریاست ہر حیثیت سے خودمختار اور آزاد ریاست نہیں ہے بلکہ وہ شریعت کی پابند ہے۔ اسی لیے اس کے لیے "خلافت کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ

(المائدہ:۴۸)

پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو اور اس قانونِ حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے۔ لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

(المائدہ:۴۴)

اور جو لوگ خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝

(المجادلۃ:۲۰)

جو لوگ خلاف کرتے ہیں خدا اور اس کے رسولؐ کے وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

دراصل وہی ریاست اسلامی کہی جاسکتی ہے، جو خدا کے قانون کو نافذ کرنے والی ہے اسلامی آئیڈیولوجی کے سیاسی پروگرام کا سب سے پہلا نکتہ یہی ہے کہ ریاست کو شریعت کا قائم کرنے والا ہونا چاہیے۔ اس سرکاری پالیسی (State Policy) کا اعلان حضرت ابوبکرؓ نے بارِ خلافت اٹھاتے وقت اسی طرح فرمایا تھا:

"اے لوگو! میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں۔ حالاں کہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں... میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرنا۔ لیکن خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں تو کوئی اطاعت تم پر نہیں۔"

یہی وہ چیز ہے جس کا اعلان حضرت عمرؓ نے کیا تھا۔ اسی کا اظہار حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا تھا اور بحیثیت خلافت کے امین ادارہ کے یہی ریاست کا اوّلین فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت داؤدؑ کو مخاطب کرکے اس کو بہت واضح طریقے پر بیان فرماتا ہے:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝

(ص:۲۶)

اے داؤد! ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ (حاکم) بنایا ہے۔ پس لوگوں میں حق کے مطابق فیصلہ کرتے رہنا۔ اور کبھی بھی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرنا کہ وہ خدا کے راستے سے تم کو بھٹکا دے گا، اور جو لوگ خدا کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

۲- اسلامی آئیڈیولوجی اس نقطۂ نظر کو بھی پیش کرتی ہے کہ خلافت کسی خاص فرد، خاندان، گروہ، قبیلہ یا برادری کا حق نہیں۔ بلکہ یہ خلافت تمام مسلمانوں کو حاصل ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ (النور:۵۵)

اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا (یعنی حکومت دے گا) جیسا اس نے انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے۔

خلافت کے اس عمومی نظریے کا منطقی اور لازمی تقاضا یہ ہے:

(ا) نظامِ حکومت کو قائم کرنے اور امیر مقرر کرنے کا اختیار عام مسلمانوں (خلفا) کو ہو۔ صرف ان کو حکومت قائم کرنے کا اعتماد حاصل ہو۔ اور اگر وہ ان کا اعتماد کھو دے تو اسے قائم رہنے کا کوئی حق نہ ہو۔

(ب) حکومت کے فیصلے ان کے مشورے سے ہوں۔

(ج) کسی ایک شخص یا ادارے کو ایسے اختیار نہ ہوں جو اس بنیادی خلافت ہی کو بے معنی کردے۔

(د) عام مسلمانوں کو آزادی حاصل ہو کہ اپنی مرضی اور اپنے ضمیر کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کریں اور منصبِ خلافت کے فرائض ادا کرسکیں۔

(و) خلافت کی اس ذمّے داری کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کے لیے جس علم دین اور جس معاشی آزادی کی ضرورت ہے، وہ بھی ان کو حاصل ہو۔

۳- اسلامی آئیڈیولوجی کا تیسرا اصول شورائیت ہے۔ اسلامی ریاست ایک آمرانہ نظام نہیں شورائی اور جمہوری نظام قائم کرتی ہے۔ سب سے پہلے تو یہ منطقی تقاضا ہے تمام مسلمانوں کے خلیفۃ اللہ ہونے کا۔ اس لیے کہ جو بھی اجتماعی نظام قائم ہو۔ اسے ان اصل خلفا کے مشورے سے کام کرنا چاہیے۔ پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو ذمّے داری تمام مسلمانوں پر عائد کی گئی ہے، اس کی بجا آوری کے لیے شوریٰ کا ادارہ ہونا ضروری ہے اور سب سے بڑھ کر اس بات کو صاف اور صریح الفاظ میں قرآن وسنّت میں بیان بھی کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں کوئی الجھاؤ باقی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ: ۳۸)

اور ان کے معاملات باہم مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

حضورؐ کا ارشاد ہے:

شاور قوم الاهدوا۔

جس قوم نے باہمی مشورہ سے کام کیا۔ اس نے فلاح پائی۔

خلافتِ راشدہ کا نظام اس مشاورت کی بنیاد پر قائم تھا۔ تمام اہم فیصلے اربابِ حل وعقد کی مجلس کیا کرتی تھی۔ اسلامی شوریٰ کی یہ اسپرٹ حضرت عمرؓ کی اس تقریر کے ایک ایک لفظ میں جھلکتی ہے، جو آپ نے اپنی شوریٰ کے سامنے کی تھی:

> ''میں نے آپ حضرات کو جس غرض سے تکلیف دی ہے، وہ اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کہ مجھ پر آپ کے معاملات کی امانت کا جو بار ڈالا گیا ہے، اسے اٹھانے میں آپ میرے ساتھ شریک ہوں۔ میں آپ ہی میں سے ایک فرد ہوں اور آج آپ وہ ہیں، جو حق کا اقرار کرتے ہیں، جس کا جی چاہے مجھ سے اتفاق کرے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش کی پیروی کریں۔ اس لیے کہ تمہارے پاس خدا تعالیٰ کی وہ واضح کتاب ہے، جو حق کے لیے ناطق ہے۔''

ہر زمانے اور ہر دور میں اس نظامِ مشاورت کو قائم کرنے کے لیے مناسب ادارے

وضع کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن انہیں لازماً ایسا ہونا چاہیے کہ اس کی اصل اسپرٹ قائم ومحفوظ رہے۔

۴- اسلامی آئیڈیولوجی جس ریاست کا تصوّر پیش کرتی ہے وہ ایک فلاحی اور خادمِ خلق ریاست ہے۔ یہ ریاست اس امر کے لیے کوشاں رہتی ہے کہ عوام کو دنیوی اور اخروی دونوں قسم کی فلاح حاصل ہو۔ ایک طرف وہ علم دین کی تعلیم وترویج کی کوشش کرتی ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمّہ داری خود بھی ادا کرتی ہے اور دوسرے کو اس کا موقع بھی دیتی ہے۔ اور دوسری طرف قیامِ امن، انصاف اور معاشی کفالت کے لیے اپنی قوتیں صرف کرتی ہے۔ اس مضمون پر قرآنِ پاک کی کئی آیات، بہت سی حدیثیں اور خود خلفاءِ اربعہ کا تعامل دلالت کرتا ہے۔

۵- ریاست کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ ریاست بحیثیت ادارہ کے اس کے تمام شہری کو نیکیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں یہ ایک بڑا انقلابی تصوّر ہے۔ کیوں کہ اس کی وجہ سے

(ا) ریاست ایک مثبت مقصد کی داعی ہو جاتی ہے۔

(ب) ملک کی اجتماعی زندگی برائیوں سے پاک اور اچھائیوں سے معمور ہو جاتی ہے۔

(ج) یہ انفرادی آزادی کے لیے سب سے بڑی ضمانت ہے۔ کیوں کہ صرف بحث وتنقید و محاسبہ کی آزادی ہی کے ساتھ یہ نظام چل سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے اسلامی نظام میں آمرانہ رجحانات کے پروان چڑھنے کا خطرہ ختم ہو جاتا ہے۔

(د) حکومت سے راہِ صواب سے ہٹنے کے خطرات کم ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ ایسے نظام میں ذرا سے انحراف کو بھی برداشت نہیں کیا جائے گا۔ اور اسے فوراً درست کر دیا جائے گا۔

۶- بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت دیتی ہے اور خدا اور اس کے رسولؐ کی ضمانت پر ان کو قائم کرتی ہے ان بنیادی حقوق میں یہ بھی شامل ہیں۔

- جان ومال کی حفاظت اور شریعت کی حدود میں انفرادی ملکیت کا حق
- سعی وجدّ وجہد، پیشہ اور کاروبار کی آزادی
- سکونت ونقل وحرکت کی آزادی
- اجتماع بندی اور تنظیم بندی کی آزادی

- عقیدہ، فکر و خیال اور مذہب کی آزادی
- تنقید و محاسبہ کا حق

یہ اور دوسرے حقوق فرد کی آزادی کے محافظ ہیں اور اسے دوسرے افراد یا ریاست کی دست درازیوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔

۷- ریاست کی حیثیت معلّم کی ہے۔ تعلیم کا فروغ اس کی اوّلین ذمّے داری ہے۔ نبی کا اوّلین منصب معلّم کا ہے۔ اس کی جانشین کی حیثیت سے اسلامی ریاست پوری آبادی کے لیے معلّم اور مربی کا مقام رکھتی ہے۔ خلافتِ راشدہ کا پورا دور اس پر شاہد ہے۔

۸- اسلامی ریاست کا ایک اور بنیادی مقصد قیامِ انصاف ہے۔ قرآن، حدیث اور دورِ خلافتِ راشدہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدلیہ اور انتظامیہ کی تفریق کا ایک واضح رجحان موجود تھا۔ آج اصل مقصد قیامِ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے یہ بدرجہ اتم ضروری ہے کہ انتظامیہ اور عدلیہ ایک دوسرے کے اثر سے بالکل آزاد ہوں۔

۹- اسلامی آئیڈیولوجی اطاعت کا بھی ایک واضح اصول دیتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

(النساء: ۵۹)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اللہ کے رسولؐ کی اور ان اصحابِ امر کی جو تم میں سے ہوں اور اگر کسی معاملہ میں تمہارے اور اصحابِ امر کے درمیان اختلاف ہو تو لوٹو خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف۔

(ا) اس سے معلوم ہوا کہ اصل اطاعت خدا اور اس کے رسولؐ کی ہے۔ اور کسی اور کے لیے کلّی اطاعت نہیں۔

(ب) اصحابِ امر کی اطاعت خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے تابع ہے۔ ان سے اختلاف کا حق بھی حاصل ہے اور اختلاف کی شکل میں حَکَم قرآن اور سنّت ہوں گے۔

(ج) اطاعت انھی اصحاب کے لیے ہے جو مسلمانوں میں سے ہوں۔

۱۰- آخری چیز یہ ہے کہ اسلامی آئیڈیولوجی صرف دستورِ مملکت اور ریاست کی پالیسی کے بنیادی اصول ہی نہیں دیتی بلکہ یہ ہدایت بھی دیتی ہے کہ قیادت صالحین کی ہونی چاہیے تاکہ وہ اسلام کے اصولوں پر ان کی صحیح اسپرٹ میں عمل کر سکیں اور نظامِ زندگی کو اس کی برکات سے مالا مال کر سکیں۔

خلافت کا وعدہ "ایمان" اور "عمل صالح" کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝

(الانبیاء: ۱۰۵، ۱۰۶)

اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے، یقیناً اس میں عبادت کرنے والوں کے لیے پیغام ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ

(النساء: ۵۸)

بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝

(الکہف: ۲۸)

کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو، جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتا ہے اور اس کا حال حد سے گزر گیا ہے۔

اسی طرح نبی اکرمؐ نے فرمایا ہم عہدے ان کے طالب اور حریص لوگوں کو نہیں دیتے اور یہ کہ خدا کے قریب بیٹھنے والوں میں منصف اور عادل امام ہوگا۔ اور ظالم امام کو جنت کی خوشبو تک نہ پہنچے گی۔ نیز آپؐ نے فرمایا:

"کیا میں تم کو اس سے مطلع کروں کہ تمہارے اچھے امیر کون ہیں اور برے امیر کون

(۷)

سیاستِ خارجہ

اسلامی آئیڈیولوجی صرف ریاست اور اس کے اندرونی مسائل ہی کے متعلق ایک واضح پالیسی نہیں دیتی۔ بلکہ یہ بھی واضح کر دیتی ہے کہ ملّت اور ریاست کے تعلّقات دوسرے ممالک اور اقوام سے کن بنیادوں پر استوار ہوں اور اس لائحہ عمل کو جو یہ آئیڈیولوجی بین الاقوامی تعلّقات کے لیے بھی ایک واضح لائحۂ عمل دیتی ہے۔ جسے ہم سیاست خارجہ کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔

۱۔ اس سلسلے کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ ملّتِ اسلامیہ اور اسلامی ریاست کی حیثیت پوری دنیا کے سامنے خدا کی شریعت کے علم بردار اور اس کے پیغام کے داعی کی ہے۔ قرآن اس کو ''امّتِ وَسَط'' کہتا ہے۔ اور اس کے متعلق اس کا ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (آل عمران:۱۱۰)

تم وہ بہتر امّت ہو جو عالم انسانی کی طرف برپا کی گئی ہے اور تم نیکی کا حکم کرتے ہو۔ برائی سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

اس کے منصب کو قرآن ''شہادتِ حق'' کا منصب قرار دیتا ہے۔ یہ وہ امّت ہے، جو خدا کی طرف سے پوری انسانیت پر گواہ کی گئی ہے۔ جو اپنے قول و عمل، اپنی پالیسی اور پروگرام کے ذریعے خدا کے دین کی شہادت دیتی ہے۔ اس کا پیغام انسانیت کو پہنچا ہے اور اسے خدا کی اطاعت کی طرف بلاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ

(النساء:۱۳۵)

مسلمانو! انصاف پر پوری مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ۔

اس لیے اس آئیڈیولوجی کی سیاستِ خارجہ کا پہلا اصول یہ ہے کہ یہ اسلام کی مبلغ اور دین کی شہادت دینے والی ہے۔ کوئی ایسا رویہ یہ اختیار نہیں کر سکتی جو کسی طرح بھی اس کی اس حیثیت کو مجروح کرنے والا ہو۔

۲- وطن کی محبت اور اس کے مفاد کا تحفظ اس کی دوسری بنیاد ہے۔

وطن کی محبت سے مراد یہ ہے کہ ملک اور اس کے بسنے والوں کی حقیقی خیر خواہی ان کے مفاد کا تحفظ ان کے حقوق کے لیے جدّ وجہد اس کے اوّلین فرائض میں سے ہوں گے۔ اسلام وطن سے سچی محبت کو ایمان کے ثمرات میں سے سمجھتا ہے۔ لیکن یہاں اسلام کے نقطۂ نظر اور جدید قومیت کے نقطۂ نظر میں جو فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسلام حق یا ناحق، کے اصول کو صحیح نہیں سمجھتا۔ بلکہ وہ حق کی صورت میں ہر ممکن تعاون اور جدّ وجہد اور ناحق کی صورت میں مخالفت اور درست کرنے کی کوشش فرض کرتا ہے۔ اسلام کے اس مخصوص نقطۂ نظر کی ایک واقعے میں بڑی خوبی کے ساتھ عکاسی ہوتی ہے۔ حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہؓ ایک دم پکار اُٹھے کہ یا رسول اللہؐ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن اگر وہ ظالم ہو تو پھر اس کی مدد کیسے ہو سکتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: اس کی مدد اس طرح کرو کہ اس کو ظلم سے روک دو۔ بس یہی اصول خود قومی پالیسی کے لیے بھی اسلامی آئیڈیولوجی تجویز کرتی ہے۔

۳- اسلام کی سیاستِ خارجہ کا یہ بھی ایک اہم پہلو ہے کہ وہ پوری امتِ مسلمہ کی وحدت کا داعی ہے اور ریاست کو ایسی تدابیر اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہے جو تمام مسلمانوں کو جوڑنے والی اور ان میں تعاون اور بھائی چارہ قائم کرنے والی ہوں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی بہت سی ریاستیں ہوں۔ لیکن ان کو اپنی ایسی ''دولتِ مشترکہ'' بنانی چاہیے، جو ہر حیثیت سے ان کو ایک دوسرے کا معاون و مددگار بنا دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (المومنون:۵۲)

اور دیکھو! یہ تمہاری امت فی الحقیقت ایک ہی امت ہے۔ اور میں تم سب کا پروردگار ہوں، پس تقویٰ اختیار کرو۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران:۱۰۳)

سب مل جُل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات:۱۰)

بے شک تمام اہلِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اس کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ مسلمانوں میں عام تعاون ہو، بلکہ سیاستِ خارجہ کا ایک خاص مقصد پورے عالم اسلام کی سیاسی آزادی ہے۔ مسلمان آزاد رہنے اور صرف خدا کی غلامی کے لیے پیدا ہوا ہے اور اگر دنیا کے سینے پر ایک مسلمان بھی غیر اللہ کی غلامی پر گرفتار ہے تو یہ سارے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کو طاغوت کے نظام سے آزاد کرائیں۔ اسلامی فقہ کا ایک مسئلہ ہے کہ ''اگر ایک مسلمان عورت مشرق میں قید ہو تو اہلِ مغرب پر یہ فرض ہے کہ اس کو جزیہ دے کر چھڑائیں۔ خواہ اس سلسلے میں تمام مسلمانوں کا مال ہی کیوں نہ دینا پڑے۔ الشرح الصّغیر علی اقرب المسالک (بحوالہ حسن البنا اخوان المسلمون اور ان کی دعوت) اگر ایک عورت کو غلامی اور قید سے چھڑانے کے لیے یہ مسئلہ ہے تو پورے پورے اسلامی ممالک کو اغیار کی غلامی اور مشرق اور مغرب کے استعماروں سے آزاد کرانے کے لیے ہمارا مسلک کیا ہو سکتا ہے۔؟ اس پالیسی کے لیے قرآن پاک کی اس آیت سے بھی رہنمائی ملتی ہے:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا (النساء:۱۴۸)

خدا کو پسند نہیں کہ تم کسی کی برائی پکارتے پھرو اِلّا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو۔ اور یاد رکھو خدا سننے والا جاننے والا ہے۔

سامراج کا نظام دورِ جدید کے گھناؤنے ترین نظام ہائے ظلم میں سے ہے ــــ اور اس کے خلاف جدّ و جہد کرنا اور بالخصوص مسلمانوں کو اس کے چنگل سے آزاد کرانا ایک بہت بڑا معروف ہے۔ اس لیے اسلامی آئیڈیولوجی اپنی بین الاقوامی پالیسی کو عالم اسلام کی سیاسی اور تہذیبی آزادی اور اس کے اسلامی اتحاد کی بنیادوں پر قائم کرتی ہے۔

۴- اسلام فتنہ اور فساد کو ختم کرنے اور امن قائم کرنے کے لیے آیا ہے اور اس کی خارجہ پالیسی کا مقصد امنِ عالم کا قیام ہوگا۔ قرآن پاک انسانی خون کے بہانے کو گناہِ عظیم قرار دیتا ہے۔ اِلّا یہ کہ یہ حق کے ساتھ ہو:

أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ

(المائدہ: ۳۲)

جس کسی نے سوائے اس کے کہ قصاص لینا ہو یا ملک میں فساد پھیلانے والوں کو سزا دینی ہو کسی انسان کو قتل کیا تو اس نے تمام انسانوں کا خون کیا اور جس کسی نے کسی کی جان بچائی ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دے دی۔

قرآن ہر قسم کی زیادتی کی مخالفت کرتا ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ (المائدہ: ۸)

اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ ایک گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات پر ابھار دے کہ راہِ انصاف سے ہٹ جاؤ۔

اور اگر مخالف صلح کی طرف آمادہ ہو تو اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا حکم ہے۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ (الانفال: ۶۱)

اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی ان کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ۔

اسی طرح اگر وہ امان چاہیں تو ان کو امان دینے کا حکم ہے۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ۝

(التوبہ: ۶)

اور اگر مشرکین میں سے کوئی آئے اور تم سے امان مانگے تو اسے ضرور امان دو یہاں تک کہ وہ اچھی طرح اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کے ٹھکانے پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

اس میں ایک طرف امان دینے کا حکم ہے اور دوسری طرف ان تک اپنی دعوت پہنچانے کی ترغیب اور اگر وہ برضا و رغبت دین کو قبول نہ کرے تو ان کو یہ امان واپس کر دینے یا ان کے ٹھکانے پہنچانے کی نصیحت۔

ان تمام چیزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا مقصد امن قائم کرنا، اور انسانی زندگی کو سکون کی دولت سے مالا مال کرنا ہے۔ لیکن اسلام نے صرف اتنی بات کہہ کر معاملے کو ختم نہیں کر دیا ہے۔ ورنہ اس میں اور اہنسا میں کوئی فرق نہ رہتا۔ اسلام نے ان اسباب کو دور کرنے کی بھی کوشش کی ہے، جو امن کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ طاغوت کی قوت کو ختم کر دو اور زمین سے فتنے کو بالکل مٹا دو۔ تب ہی حقیقی امن قائم ہو سکتا ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

(البقرہ: ۱۹۳)

اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک فتنہ و فساد نابود نہ ہو جائے اور نظامِ زندگی خدا کے لیے خالص نہ ہو جائے اور اگر وہ فساد سے باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔

اس طرح اسلام ان اسباب کو بھی دور کرتا ہے۔ جو امن کو تہ و بالا کرنے والے ہیں۔

۷- اسلام جغرافیائی حدود کو انسانیت کو مستقل طور پر بانٹنے والی حدود نہیں مانتا۔ وہ ایک عالمی، انسانی برادری قائم کرنا چاہتا ہے، جو ایک قانون کے تابع اور ایک مرکز سے وابستہ ہو اور جس میں انسانوں کو گروہوں میں تقسیم کرنے والی چیز نسل، رنگ، زبان اور وطنی حدود نہ ہوں بلکہ پوری انسانیت ایک خاندان بن جائے اور اگر کسی بنیاد پر ان میں فرق ہو تو وہ ایمان اور تقویٰ ہیں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی قوم، رنگ یا نسل سے وابستہ نہیں۔ بلکہ پوری انسانیت ان کے سلسلے میں برابر ہے۔ ہر شخص انہیں حاصل کر سکتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

(الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ پھر مختلف قومیں اور خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے اور خبر رکھنے والا ہے۔

حدیث میں پوری انسانیت کو "عیال اللہ" کہا گیا ہے۔

الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله۔ (بیہقی)

ساری مخلوق عیال اللہ ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو عیال اللہ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے۔

اللّٰهم ربنا و ربّ كل شيء ان اشهد ان العباد كلهم اخوة۔ (ابوداؤد)

اے ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اس طرح اسلام پوری عالمی انسانی برادری کی تنظیم کا مدعی ہے۔

۸- عہد و پیمان کی پابندی بھی اسلام کی بین الاقوامی پالیسی کا ایک اصول ہے۔ اور اسلام اس پر سختی سے عمل کا حکم دیتا ہے۔ صرف اسی صورت میں معاہدہ کو توڑا جا سکتا ہے جب دوسرا فریق اس کی خلاف ورزی کرے اور اس صورت میں بھی معاہدہ کو اس کے منہ پر دے مارنے کا حکم ہے۔ تا کہ اس سے علانیہ بے تعلقی کا اعلان ہو جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدۃ:۱)

اے ایمان والو! اپنے معاہدے پورے کرو۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل: ۳۴)

اور دیکھو! عہد کو پورا کرو۔ عہد کے بارے میں تم سے باز پرس کی جائے گی۔

۹- بین الاقوامی تعلقات میں اسلام بدلہ لینے کو جائز قرار دیتا ہے لیکن یہ لازم کر دیتا ہے کہ

بدلہ اتنا ہی لیا جائے جتنا حق ہے۔ اور ذرا بھی زیادتی نہ کی جائے نیز اگر درگزر اور حسنِ سلوک کا طریقہ اختیار کیا جائے تو خوب تر ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (شوریٰ:۴۰)

برائی کا بدلہ اس کے برابر برائی ہو سکتا ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ (البقرۃ:۱۹۴)

جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کے برابر کی زیادتی کر کے اپنا بدلہ لے سکتے ہو، (اس سے زیادہ نہیں)

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (البقرہ:۱۹۰)

اور جو لوگ تم سے لڑائی لڑ رہے ہیں چاہیے کہ تم بھی ان سے لڑو البتہ کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیے اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی کرنے والے ہیں۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ (النحل:۱۲۶)

(اور اگر مخالفوں کی سختی کے جواب میں) سختی کرو تو چاہیے کہ ویسی ہی اور اتنی ہی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہے۔ اگر تم نے صبر کیا تو بلاشبہ صبر کرنے والوں کے لیے صبر ہی بہتر ہے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ (حٰمٓ سجدہ:۳۴)

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی ہے۔ آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجیے۔ (برائی کو) پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کہ کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔

ان آیات کی روشنی میں سیاستِ خارجہ کا ایک اصول یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کو دوسرے ممالک سے بدلہ لینے کی اجازت ہے لیکن حُسنِ سلوک کی پالیسی قابلِ ترجیح ہے۔ باقی کس موقعے پر کون سا رویہ اختیار کیا جائے اس کا فیصلہ لامحالہ واقعات وحقائق کی روشنی میں ہوسکتا ہے۔

حرفِ آخر

گزشتہ صفحات میں ہم نے اسلامی آئیڈیولوجی کی خصوصیات اور مختلف شعبہائے زندگی کے لیے اس کا لائحہ عمل بیان کیا ہے۔ ان کے مطالعے سے اسلام کی پوری سماجی اور عمرانی اسکیم ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اس سے ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ اسلام کس قسم کا انسان تیار کرنا چاہتا ہے اور کیسا معاشرہ بنانا چاہتا ہے۔ یہ تعلیمات انسان کے فائدے کے لیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اس آئیڈیولوجی پر ٹھیک ٹھیک عمل ہو تو اس کے نتیجے کے طور پر اعلیٰ ترین صفات کے انسان پیدا ہوں گے اور دنیا میں بہترین معاشرہ تشکیل پاسکے گا۔